اللہ جل جلالہ

سے ڈرو

از

علامہ ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

مکتبۃ المعرفۃ

اللہ سے ڈرو

از

علامہ ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

مکتبۃ المعرفۃ

نام کتاب :
اللہ سے ڈرو

مصنّف :
ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

عربی سے اردو :
ہیئتِ تحریر و ترجمہ

ناشر :
مکتبۃ المعرفۃ

فہرستِ مضامین

عرضِ ناشر

قیامت تک درود و سلام ہو ہمارے آقا سرکارِ دوجہاں نبئ کریم حضرت محمد مصطفیٰ، آپؐ کی آلِ پاکؑ اور آپؐ کی اتباع کا حق ادا کرنے والے اصحاب پر۔

یہ کتاب تیونس میں ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی اور بعض علمائے اہلِ سنّت کے درمیان ہونے والے علمی انداز میں تبادلۂ فکر و نظر کا خلاصہ ہے!

خدا کے فضل و کرم سے، صاحبانِ غور و فکر اور حق و صداقت کی تلاش کرنے والے حضرات تک صحیح فکر پہنچانے کی غرض سے ہم چند حقائق پیش کر رہے ہیں تاکہ غلط فہمیوں کا غبار چھٹ جائے اور سچّائی کی روشنی پھیلنے لگے!

یہ بھی عرض کرتے چلیں کہ آواز صاف نہ ہونے کے باعث بعض علما کے افکار و نظریات واضح طور پر سمجھ میں نہیں آئے۔ اُمید ہے کہ خواہشمند حضرات اِس سلسلے میں اُن کیسٹوں کی طرف رجوع فرمائیں گے جو ان اوراق کا اصل ماخذ ہیں!

اور ہم خدائے عزّوجلّ کے حضور دعاگو ہیں کہ وہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔ وہی دعاؤں کا سُننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ اور تمام تعریفیں سارے جہانوں کے پروردگار کے لیے ہیں۔

مُقدّمہ

اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اُس کی اطاعت کرو اور خدائے ذوالمنن نے رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ کو رحمۃٌ للعالمین قرار دے کر جو مبعوث برسالت فرمایا، اِس نعمت پر اور اعلانِ ولایت کے ذریعے جو دینِ اسلام کو اکمال کی سند عطا فرمائی اُس مرحمت پر اُس کا شکر ادا کرو۔ نیز اِس امر پر بھی خداوندِ متعال کے لیے ہمہ جاں تشکّر بنو کہ اُس نے رسولِ اکرمؐ کی آلِ پاکؑ کو سفینۂ نجات، پرچمِ ہدایت، مضبوط سہارا اور تمام دُنیا والوں کے لیے اپنی حجّت قرار دیا!

چند امور

ابتدا میں چند امور کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ یہ بات تو سب پر عیاں ہے کہ تمام مسلمان، اِسلام کے جن بنیادی عناصر اور اساسی نظریات پر متفق و متحد ہیں وہ ہیں خدائے وحدہٗ لاشریک کی گواہی ، حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خاتم النّبیّین ہونے کا اقرار اور ان تمام ضروری اور لازمی احکاماتِ دین پر ایمان رکھنا جن کو تسلیم کیے بغیر

اسلام کا ثبوت نہیں ملتا ــــــ!

مثال کے طور پر یہ یقین رکھنا کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریفات سے پاک ہے۔ یہی احکام حاصل کرنے کا پاک و پاکیزہ اور سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔ یہی دلیل و برہان ہے۔ یہی دیگر احادیث کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا معیار و میزان ہے۔ اس میں نہ تو کسی قسم کے باطل کی آمیزش کبھی ہوئی ہے اور نہ آئندہ ہوگی ــــــ!

چنانچہ سورۂ حجر کی نویں آیت میں ارشاد ہے:

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ"

"بے شک ہم ہی نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

البتہ سُنّتِ نبویؐ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ مختلف ادوار میں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کاٹ چھانٹ سے کام لیتے ہوئے احادیث کا حلیہ بدلا گیا۔ چنانچہ بعض حدیثوں میں ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو گئی تو بعض ایک دوسرے کی ضد نظر آنے لگیں! یہاں تک کہ بعض کے معانی و مفاہیم ایک دوسرے کے بالکل برعکس دکھائی دیتے ہیں! یہی وجہ ہے کہ علم الحدیث کے ماہر علماء نے اس سلسلے میں راہِ حل تلاش کرنے کی سعی فرمائی اور کتابیں تالیف کیں۔

چنانچہ ابنِ قتیبہ عبداللہ ابنِ مسلم نے جن کا سنِ وفات ۲۸۵ھ یا ۲۷۶ھ ہے، کتاب "تاویل مختلف الحدیث" لکھی۔ 'ابنِ نورک محمد' یا 'حسین' نے جن کا سنِ وفات ۴۴۶ھ یا ۴۰۶ھ ہے

کتاب " بیان مشکل الحدیث "تحریر فرمائی۔ اور طحاوی ابو جعفر احمد ابن محمد ازدی جن کا سنِ وفات ۳۳۱ھ یا ۳۳۲ھ ہے انھوں نے کتاب " بیان مشکلات الآثار " تالیف فرمائی۔

ان تمام کتابوں کا حاصل دو۲ نظریات کی صورت میں سامنے آتا ہے :۔

① ——— ایک وہ جو صرف نص کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید کی تفسیر کے لیے مفسّر کی طرف رجوع کیا جانا چاہیئے۔

② ——— دوسرے وہ جو اجتہاد کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث کی روشنی میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس سلسلے میں رائے ، استحسان اور قیاس سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پہلا نظریہ رکھنے والے اہلِ بیت علیہم السّلام سے ہی احادیث نقل کرتے ہیں۔ کیونکہ اہلِ بیتؑ ہی کارِ رسالتؐ کے قدرتی تسلسل کا مظہر ہیں۔

البتّہ دوسرا نظریہ رکھنے والوں میں مختلف قسم کے افکار اور آرار پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کا مذہب اور رائے یہ ہے۔ فلاں کی رائے اور استحسان یوں ہے۔ چنانچہ انہی مذاہب اور آرار کی مناسبت سے بہت سے راستے اور طریقے سامنے آگئے۔

اشاعرہ کھُل کر معتزلہ اور امامیہ کی مخالفت پر اُتر آئے اور ان کے درمیان عقائد پر گرماگرم بحث ہونے لگی۔ یہ بحث صرف

اِسی حد تک نہیں تھی کہ کسی صحرانشین عرب نے خلیفہ پر اعتراض کیا ہو اور اس پر اس نے ناک بھوں چڑھالی ہو ——— !

نہیں ——— !

بلکہ ایسے ایسے مناظرے اور مجادلے ہوئے جن سے آدمی لرز جائے اور بپھرے بغیر نہ رہ سکے۔

لیکن سچ تو یہ ہے ———

کہ یہی مباحثہ و مناظرہ اسلام کے صحیح راستے کی نشانی بنا ! اور اس کے جوہرِ اصلی کا محافظ قرار پایا۔ اسی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام بنیادی طور پر آزادیٔ افکار کا کس قدر حامی ہے ——— !

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح ایک دینی طالب علم اپنے اُستاد کے نظریات پر اعتراض کرتا ہے یا اس سے علیٰحدگی اختیار کر لیتا ہے۔ اور دوسرے کے نظریات کو مان لیتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس امر پر اس کا نفس دلیلوں کے ذریعے مطمئن ہو جاتا ہے اسی کے ساتھ چل پڑتا ہے ——— !

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے ———

کہ تمام تر بحث و مباحثہ اور مناظرہ اسلام کے مسلّمہ نظریات کے دائرے میں رہ کر کیا جا سکتا ہے، نیز کبھی اور کسی صورت میں بھی دینِ اسلام کے ضروری عقائد سے انکار کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

ہر بحث و مباحثہ کرنے والے کو چاہیئے ———

کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا خاص خیال رکھے اور جہل و عناد یا خود پسندی و تعصّب میں اندھا ہو کر گمراہی کا راستہ اختیار نہ کرے

اور نہ بدعت پھیلائے۔

مباحثے میں انہی بنیادی اصولوں کا خیال رکھنے کی برکت سے آپس میں میل محبت باقی رہتا ہے اور انھیں ترک کر دینے، ایک دوسرے سے بدظن ہونے اور تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینے سے الزام تراشی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اپنے مخالف کو گمراہ اور کافر تک قرار دینے کی ہوس بھڑک اٹھتی ہے اور آدمی بلا سوچے سمجھے صرف خود کو برحق گردانتا ہے۔ چنانچہ ابنِ تیمیہ، ابنِ حجر، موسیٰ جار اللہ اور محب الدین خطیب جیسے افراد صرف اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔

ہم ایسے ہی افراد اور ان کی پیروی کرنے والوں سے سوال کرتے ہیں:

✸ — کیا آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حق آپ ہی کے ساتھ ہے اور آپ ہی حق و صداقت کی بنیاد ہیں اور باقی سب بے بنیاد اور — بے اساس ہیں؟

حالانکہ تاریخ اور واقعات سے ثابت ہے کہ اہلِ تشیّع نے اللہ کے سچے پیغام کی حفاظت کی ہے تو کیا پھر بھی ان کے مذہب اور نظریے پر کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا؟! بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مکتبِ تشیّع نے ہی الٰہی پیغام کو بجا طور پر ظاہر کیا کیونکہ:

(۱) — انھوں نے نصؔ پر اعتماد کیا اور نصؔ ہی کو حکمِ الٰہی سمجھنے کا ذریعہ قرار دیا اور یہ شیعہ ہی تھے جنھوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپؐ کے برحق جانشینوں اور آلِ پاکؑ کے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کیا اور اسی کو ہر حکم قبول کرنے یا نہ کرنے کا معیار قرار دیا —!!

(۲) —— یہ شیعہ ہی تھے جنھوں نے سقیفۂ بنی ساعدہ کے فیصلے کو جو ذاتی اجتہادات، تاویلات، استحسانات، قیاس اور رائے کی روشنی میں کیا گیا تھا ماننے سے انکار کر دیا — کیونکہ ایسا فیصلہ کرنے والے اجتہاد کی اہلیت سے بے بہرہ تھے۔ وہ لوگ نصوص کے معانی سمجھنے سے قاصر تھے اور سب سے بڑھ کر یہ شیعوں کے ہاں نص کے مقابلے میں اجتہاد کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے !!

ساتھ ہی ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ نص اور اجتہاد دونوں ہی امور کے کمالات حضرت علی علیہ السلام اور ان کے اہلبیت علیہم السلام میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔ لیکن یہاں تو اجتہاد سے بلا ضرورت کام لیا گیا —— ! کیونکہ یہاں نہ تو اشارے کنائے کا کوئی مورد پیدا ہوا تھا اور نہ ہی قیاس کرنے کی کوئی حاجت تھی بلکہ یہ تو سراسر قیاسِ غیر منصوصِ علت تھا اور ایسے مقام پر رائے اور استحسان کا عمل دخل ناقابلِ فہم ہے !!!

✸ — کیا آپ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ جو استحسان سے کام لیتے ہیں وہی اچھا اور بھلا ہے ؟!

ذرا اپنے آپ پر غور کریں، کیا آپ سقیفہ میں جمع ہونے والوں کی متابعت کرنے والے کے فرزند نہیں —— ؟!

کیا آپ بغیر شوریٰ کی شوریٰ کے بیٹے نہیں —— ؟!

کیا آپ سقیفہ کے اس فیصلے کو تسلیم کرنے والے نہیں جس کے بارے میں "دو حضرات" نے کہا :

" یہ جلد بازی والا معاملہ تھا۔"

کیا آپ اس کی مدد کرنے والے نہیں جس کے بارے میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں :

" تم لوگ اس بوڑھے احمق کو مار ڈالو کیونکہ بلاشبہ یہ کافر ہو گیا ہے ! "

اور یہاں حضرت عائشہ کی مراد بوڑھے احمق سے حضرت عثمان کی ذات تھی چنانچہ انھیں فتنہ وفساد پر آمادہ جوشیلے باغیوں نے قتل کر دیا !

اس کے علاوہ چونکہ بہت سے صحابہ اسلام کے قریبی دَور سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا بلاشبہ جاہلیت کے بُرے اثرات اور پہلے کے تعصب سے ان کی یکسر نفی نہیں کی جا سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ متعدد مقامات پر اسلام سے قبل کے بُرے اثرات بڑے واضح طور پر ان میں ظاہر ہوئے یہاں تک کہ شیخین بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ یہ سب کچھ ہر شئے کی طبیعت کے اثر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہی تو وجہ ہے ـــــــــــ

کہ امّتِ مسلمہ اُس شوریٰ کے نظام کی متحمّل نہیں ہو سکتی تھی جس کے وہ قائل ہو گئے تھے۔ غیر اسلامی اثرات کے ہوتے ہوئے بھلا شوریٰ کا حقیقی اور اسلامی مزاج کیونکر باقی رہ سکتا تھا ـــــــ ؟ !

بہرحال پہلے کے جاہلانہ اثرات یونہی جاری رہے۔ شریعتِ مقدّسہ اسلام میں مکر و فریب سے کام لیتے ہوئے نئے نئے احکامات گھڑ لیے گئے اور معاویہ نے اپنے بیٹے یزیدؑ کی خلافت تسلیم کرانے اور اسے اپنا جانشین بنانے کے لیے ہر طرح کی عیاری کو روا رکھا اور کھُل کر باغیانہ عزائم کا اظہار کیا۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ اُس یزیدؑ کو خلیفۃ المسلمین

بنانے کے لیے یہ سب کچھ کیا گیا جو ناحق خون بہانے والا، شرابی، دین سے منحرف اور علانیہ طور پر فسق و فجور میں مبتلا کھلنڈرا نوجوان تھا!

بنی اُمیّہ کے بعد بنی عبّاسؑ کے سرکش خلافت پر مسلّط ہوئے۔ انھوں نے اسلام کا نعرہ بلند کر کے کشت و خون کیا۔ یہ اہلِ بیتؑ کا نام لے کر فتاوے دیا کرتے تھے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ بڑے عالم ہیں اور ان کے جدّ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم ہیں!

بنی عبّاسؑ کے ان احکام نے اپنے خاص واعظوں اور شیوخ کو اُمّت پر مسلّط کر دیا۔ یہ نام نہاد واعظ اور محتسب حکام کی مرضی کے مطابق مذہب کو پیش کرتے چلے گئے چنانچہ ایسے مذاہب وجود میں آ گئے جن میں افراط و تفریط کی وجہ سے نفرت اور انتشار کے سوا اور کچھ نہیں پایا جاتا تھا جو جی میں آیا انھوں نے لکھا ——!

مثلاً —— ابو حامد غزالی نے اپنی زندگی کے آخری ایّام میں جو کچھ لکھا اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسلام سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے ——!

اسی طرح زمخشری کے اشعار سے (جن کا ہم بعد میں ذکر کریں گے) معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نظریات کا بڑا حصّہ اسلام کے سیدھے راستے سے کافی منافات رکھتا ہے۔

تو کیا اب ایسی صورت میں ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ تم جن اُمور کے قائل ہو وہ صحیح ہیں ؟ اور وہ جن اُمور کے قائل تھے وہ صحیح نہیں؟! اور کیا تمھارا بنایا ہوا نظریات کا گھر لوہے کا ہے اور ان کا بنایا ہوا نظریات کا گھر شیشے کا تھا ——؟!!

شیعہ تو وہ ہیں جو نصّ کے تابع اور پیروکار رہے ہیں۔ انھوں نے حق کا ساتھ دیا ہے اور حق ان کے ساتھ رہا ہے۔ سب ان کے محتاج رہے ہیں اور وہ سب سے بے نیاز رہے ہیں اور انھوں نے حکم قرآن کریم کے مطابق عترتِ رسولؐ سے مودّت اور ان کی متابعت کی ہے ـــــ!!!

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمان ہے کہ:

"اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ اِمَامَانِ قَامَا اَوْ قَعَدَا"

یعنی! "حسنؑ اور حسینؑ دونوں امام ہیں خواہ یہ جہاد کریں یا صلح کریں۔"

چنانچہ شیعہ حضرات صلحِ امام حسنؑ میں بھی ان کے ساتھ رہے اور سیّد الشہداء امام حسینؑ کے ساتھ جہاد میں بھی شامل ہوئے۔ انھوں نے علیؑ کے ساتھ جہاد میں حصّہ لیا اور امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے ساتھ رہے اور قائم آلِ محمدؑ (عجل اللہ فرجہٗ) جب قیام فرمائیں گے تو ان کے ساتھ ہوں گے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ـــــــ

تمھارے قبول کرنے میں اور ان کے قبول کرنے میں بڑا فرق ہے!
اسی طرح تمھارے چھوڑنے اور ان کے چھوڑنے میں بھی بڑا فرق پایا جاتا ہے!

✸ ـــ کیا آپ ہی وہ لوگ نہیں جنھوں نے اسلام میں آزادی کے بنیادی حق کو سب سے پہلے پامال کیا ہے اور ان لوگوں کے خلاف الزام تراشی اور جنگ کی ہے جنھوں نے فاسق حکمرانوں کی اطاعت سے انکار کر دیا؟!

کیا آپ دین سے منحرف ہو جانے والوں، بدعت پھیلانے

والوں اور گمراہوں کو چھوڑ دینے والوں سے برسرِ پیکار نہیں ہوئے ہیں؟!

کیا آپ امر بالمعرُوف اور نہی عن المنکر ترک کر دینے والے نہیں ـــــــ ؟!

اپنے دینی بھائیوں اور فرزندانِ توحید کے سلسلے میں خدا سے ڈرو! جذبات میں آکر فتنہ و فساد کی آگ مت بھڑکاؤ! ایسے معاملات جو تم پر پہلے ہی واضح اور روشن ہیں اور تمھارے خلاف حجّت ہیں انھیں بلا وجہ بہانہ بنا کر تعصّب سے کام نہ لو۔ مسلمانوں کو باہمی کشمکش میں مبتلا گروہوں میں تقسیم نہ کرو۔ اس طرح کافروں اور اسلام دشمن قوتوں کے مقاصد پورے ہوں گے اور انھیں مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔

یہ سب کیا ہے ـــــــ ؟ کیوں ہے ـــــــ ؟ اس کی کوئی دلیل تمھارے پاس نہیں۔ ہاں اگر کوئی دلیل ہے تو وہ دورِ جاہلیت کی تفرقہ بندی پھیلانے کی دلیل ہے اور قرآن مجید نے اس سے صریحًا منع فرمایا ہے اور پوچھا ہے:

"أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ"

(سورۂ مائدہ ۵: آیت ۵۰)

یعنی: "کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں؟"

قرآن حکیم ہمیں متحد رہنے کی تعلیم دیتا ہے:

"وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا"

(سورۂ آلِ عمران ۳: آیت ۱۰۳)

یعنی: "تم سب مل کر خدا کی رسّی مضبوطی سے تھامے رہو اور

آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔"

آپس میں متحد رہنے کے حکم کی وجہ قرآنِ مجید نے یہ بتائی ہے:

"وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ"

(سورۂ انفال ۸ : آیت ۴۶)

یعنی: "آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ ہمت ہار بیٹھو گے اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔"

قرآنِ مجید کے اس واضح فرمان کی روشنی میں ہمیں خوابِ غفلت سے اُٹھنا ہوگا۔ آخر کب تک حقیقت سے چشم پوشی کرتے رہیں گے اور کب تک حق تسلیم کرنے سے گریزاں رہیں گے؟

حق و حقیقت کو تسلیم کیے بغیر ہم نہ تو باطل کے خلاف کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں اور نہ کفر و گمراہی کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں! پھر بھلا ہر قسم کے اجتہاد کو آنکھ بند کر کے اور یہ کہہ کر قبول کر لینا کہ اگر اجتہاد میں غلطی بھی ہوگئی تو ایک نیکی ملے گی، آخر کیا معنی رکھتا ہے ـــــ؟!

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک عظیم ضابطۂ حیات ہے اور اس میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ بس ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حُسنِ ظن سے کام لینا ہوگا۔ ـــــ ہمیں اسلام کی بنیادی تعلیم تقویٰ و پرہیزگاری کی طرف لوٹنا ہوگا ـــــ ہمیں ایمان کے بنیادی نکات پر متحد ہو کر اسلام کی عظیم شریعت کو جاہلیت کے رنگ سے پاک رکھنا ہوگا ـــــ خود پر اسلام کے علاوہ کسی اور نسلی، علاقائی اور شخصی تعصبات کو مسلط کرنے

سے گریز کرنا پڑے گا ــــــــــ! بلکہ ہمیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں کہ "حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہیں۔" سوچنا ہوگا! اور حضرت علیؑ کو معیار اور میزان قرار دینا ہوگا۔ آنحضرتؐ کے قائم کردہ اسی معیار کے مطابق ہم اپنے عزیز اسلام کی خصوصیات اور عظیم مصلحتوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں ــــ!!

ہمارا مقصد صرف خوشنودئ خدا، ہماری گفتگو برائے خدا، ہمارا سیکھنا خدا کے واسطے اور ہمارے تمام اعمال خدا کے لیے ہونے چاہئیں ــــــــ!

مختصر یہ کہ ہمیشہ اور ہر کام میں خوفِ خدا اور اطاعتِ الٰہی کا جذبہ ضروری ہے۔

سچّوں کے ساتھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

" یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ "

(سورۂ توبہ ۹: آیت ۱۱۹)

"اے صاحبانِ ایمان! خدا سے ڈرو اور سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ"

اِس آیۂ مبارکہ میں تمام صاحبانِ ایمان سے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے، سچّوں کا ساتھ دینے اور عذابِ آخرت کا خوف رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

یہ بات تو واضح اور مسلّم ہے کہ مسلمانوں کے متعدّد مذاہب ہیں اور ان میں تباہی و بربادی کا شکار ہونے والے فرقے بھی ہیں۔ یہ تمام فرقے اور مذاہب، دانشوروں نے احادیث کے سلسلے میں جو اختلاف کیا ہے اسی کے باعث پیدا ہو گئے ہیں۔

یہ اختلاف حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی وفات سے پہلے بھی پیدا ہو گیا تھا اور آپؐ کی رحلت کے بعد کھُل کر سامنے آگیا۔ اس کی

دلیل ہمارے پاس قرآن مجید کی وہ آیت ہے جس میں صحابہ کے دین سے پھر جانے کی خبر دی گئی ہے۔ اسی طرح صحاح ستہ میں موجود احادیثِ نبویؐ میں ہے کہ عنقریب بعض صحابہ مُرتد ہو جائیں گے یا دین سے پچھلے نظریے پر دوبارہ لوٹ جائیں گے ——— اور یہ وہ امور ہیں جن کی بعد میں ہونے والے تاریخی حوادث سے مزید تائید ہو جاتی ہے۔

میں آپ کی توجہ اسلام کی ان تاریخی حقیقتوں کی طرف دلانا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو رنج وغم کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے درمیان خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ یہاں تک کہ بعض مؤرخین نے اسے فتنۂ عظیم کا نام دیا!

جمل، نہروان، صفین یا قاسطین، مارقین اور ناکثین کے ساتھ ہونے والی لڑائیوں کو آپ کیا کہیں گے ———؟

پھر ہوا یہ ———

کہ ہم نے تقریباً اُس اسلامی فکر کو بھلا دیا جسے اسلامی نظام پر حاکم ہونا چاہیئے تھا اور جو اسلام کی بُنیاد اور اساس تھی۔

اسلام کی بنیادی فکر کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہی ہمیں ایسے ایسے فتنہ و فساد کا سامنا کرنا پڑا! اور آج بھی آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ اسلام میں کون سا نظام حاکم ہے یا کن وسائل کے ذریعے اسلامی حکم تلاش کیا جا رہا ہے ———؟!

نصّ یا شوریٰ

حضورِ اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خلافت یا جانشینی کے مسئلے کو نصّ کی روشنی میں حل کرنا چاہیئے یا شوریٰ کے ذریعے ؟

اس سوال کا مختصراً جواب دینے سے پہلے ہم آپ کے سامنے اہلِ سنّت اور اہلِ تشیّع دونوں کے نظریات کو اختصار کے ساتھ پیش کردینا ضروری سمجھتے ہیں، اس کے بعد یہ آپ کی ذمّہ داری ہے کہ اپنے ذہن میں اُبھرنے والے سوالوں کے جوابات خود تلاش کریں اور فیصلہ کریں ــــــ!

اہلِ سنّت کی رائے اس سلسلے میں یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم رحلت فرما گئے اور آپؐ نے خلافت کے مسئلے کو مسلمانوں کے باہمی صلاح مشورے (شوریٰ) پر چھوڑ دیا۔

اِس بارے میں وہ ان دو آیتوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں :

اوّل سورۂ شوریٰ کی اڑتیسویں آیت :

" وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ۔"

یعنی : " اور ان کے کل کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں ۔"

اور دوسرے سورۂ آلِ عمران کی ایک سو اُنسٹھویں آیت :

"وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۔"

یعنی : "اور ان سے کام کاج میں مشورہ کر لیا کرو ۔"

چنانچہ اہلِ سنّت کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور انھوں نے باہمی صلاح مشورے سے اپنے افضل فرد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ معیّن کر دیا ۔

اور اہلِ تشیّع ، خلافت کے اس مسئلے میں کہتے ہیں کہ سرورِ کائنات حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم امّتِ مسلمہ کے کسی بھی مسئلے کو یونہی چھوڑ کر اس دنیا سے رُخصت نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ یہ شرعی اور عقلی دونوں اعتبار سے ناقابلِ فہم اور قبیح ہے ۔ پھر بھلا کیسے ممکن ہے کہ آپؐ اپنا جانشین معیّن کیے بغیر اس دنیا سے اُٹھ جائیں ـــــــ ! اِس بات کی تائید اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ آپؐ اپنی عام زندگی میں جب بھی سفر فرماتے یا جنگ کے لیے تشریف لے جاتے یا کسی اور کام سے مدینہ چھوڑنا پڑتا تو آپؐ اپنا جانشین مقرّر فرما دیا کرتے تھے ۔ چنانچہ تاریخی حقائق اس کے گواہ ہیں ۔ [۱]

---

[۱] ایک شافعی عالم محمد ابن ابراہیم حموینی اپنے سلسلۂ اسناد کے ساتھ ابوسلمیٰ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو کہتے سُنا : جب مجھے عرشِ اعلیٰ پر معراج کے لیے حق جلّ شانہٗ نے بلایا تو مجھ سے ارشاد فرمایا : جو کچھ میں نے نازل کیا اس پر رسولؐ ایمان لے آئے ۔" چنانچہ میں نے کہا : "اور مومنین بھی ۔" ارشادِ باری تعالیٰ ہوا : "اے محمدؐ تم نے درست کہا ۔" پھر ارشاد ہوا : "تمھاری امّت کا خلیفہ کون ہو گا ؟ ۔" میں نے جواب دیا : "جو سب سے اچھا ہو گا" ارشادِ خداوندی ہوا : "علی ابن ابی طالبؑ خلیفہ ہوں گے ۔" (باقی اگلے صفحہ پر)

اسلام کے ان تاریخی حقائق پر نظر رکھتے ہوئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روش کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرتؐ اپنی حیاتِ طیبہ میں تو سفر کرتے وقت اپنا جانشین معین فرمائیں لیکن جب سفرِ آخرت فرمائیں اور اپنے خالقِ حقیقی کے پاس جا رہے ہوں تو امت کو یوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں نے کہا : " ہاں ! میرے پروردگار۔" ارشادِ ربّ العزت ہوا : ــــــ " اے محمدؐ! جب میں روئے زمین پر اس طرح ملتفت ہوا جیسا کہ ملتفت ہونے کا حق ہے تو میں نے تجھے منتخب کیا اور تیرا نام اپنے نام سے مشتق کیا۔ پس جب بھی میں تمہارا ذکر کروں گا تو ساتھ میں میرا ذکر ہو گا کیونکہ میں محمود ہوں اور تم محمدؐ۔ پھر میں دوبارہ روئے زمین کی جانب ملتفت ہوا اور سب میں سے میں نے علیؑ کو منتخب کیا۔ اس کے نام کو بھی اپنے نام سے مشتق کیا کیونکہ میں اعلیٰ ہوں اور وہ علیؑ۔"

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی احادیث طریقِ اہلِ سنت سے اس سلسلے میں نقل ہوئی ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ اکثر مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ کی طرف میلان ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ سوائے غزوۂ ذاتِ سلاسل، کہ جس میں ابن عاص کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر امیر بنایا ہے اور اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل نئی شورشوں کو دبانے کے لیے اسامہ ابنِ زید کو تمام مہاجرین و انصار کا (جن میں ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ جیسے افراد بھی شامل تھے) سپہ سالار بنایا۔

ہاں ! حسن بصری نے حضرت علیؑ سے مسئلہ خلافت کے سلسلے میں سوال کیا تو حضرتؑ نے فرمایا : "اس شخص کے بارے میں کیا کہو گے جس میں (باقی اگلے صفحہ پر)

ہی بغیر کسی نگہبان کے چھوڑ دیں ـــــ ؟!

ایسا تو عام لوگوں میں، یہاں تک کہ غیر مسلموں کے ہاں بھی نہ تو پایا جاتا ہے اور نہ ہی پسند کیا جاتا ہے! کوئی سا بھی طرزِ حکومت ہو مثلاً کمیونزم ہو یا کیپٹل ازم، جمہوری نظام ہو یا بادشاہی، غرض یہ کہ ہر نظامِ حکومت میں سربراہِ مملکت کا معیّن کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی سربراہِ مملکت کا کوئی نہ کوئی نائب بھی معیّن کیا جاتا ہے جو کہ بیماری یا دیگر پیدا ہونے والے نئے حوادث کے موقع پر اپنے فرائض انجام دیتا رہے۔

چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور تاریخی حقائق پر نگاہ ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپؐ نے امت کو تفرقہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ چار صفات پائی جاتی ہوں۔ ① سورۂ برأت کے سلسلے میں اسے امین سمجھا گیا ہو ② آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر اس کے بارے میں فرمایا ہو کہ اگر نبوّت کے علاوہ کوئی سی بھی اور صفت اس میں نہ پائی جاتی تو میں اسے مستثنیٰ کر دیتا! ③ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قول کہ "میں تمھارے درمیان دو چیزیں، ایک قرآن مجید اور اہل بیتؑ چھوڑ رہا ہوں۔" میں اہلِ بیتؑ کی فرد میں شامل ہوں۔ ④ اور اس پر سرکارِ دو عالمؐ نے کبھی کسی کو امیر نہ بنایا ہو!!! اور جب بھی ان کے علاوہ کسی اور کو امیر بنایا ہو تو وہ شخص علیؑ پر امیر نہ بنایا گیا ہو۔ (کتاب "شرح النہج" جلد ۱ صفحہ ۳۹۴، واقدی سے نقل کیا گیا۔) اسی مفہوم کی اور بھی بہت سی روایات اہلِ سنّت کی کتابوں میں موجود ہیں!!!

سے منع فرمایا ہے اور فتنہ وفساد سے ڈرایا ہے۔

غور فرمائیے کہ ایک مرتبہ جب آپؐ قبرستانِ بقیع تشریف لے گئے اور وہاں یہ ارشاد فرمایا:

"هَنِيْئًا لَكُمْ مَا اَصْبَحْتُمْ فِيْهِ لَقَدْ اَقْبَلَتِ الْفِتَنُ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ۔"

یعنی: "(شہر خموشاں میں سونے والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا)

تمھارے اس حال میں تم بغیر زحمت و مشقت کے ہو، مگر یقین مانو آنے والے دور میں رات کے تاریک ٹکڑوں کی مانند فتنہ و فساد برپا ہونے والا ہے۔"

الغرض آپؐ نے اپنے اصحاب کو ہر قسم کے فتنہ و فساد سے منع فرمایا۔ پھر بھلا عقلِ سلیم اسے کیسے قبول کر سکتی ہے کہ ایسے عظیم الشّان ہادیٔ برحق اور رسولؐ نے اپنی اُمّت کو بغیر کسی خلیفہ اور جانشین کے یوں ہی چھوڑ دیا ہو ——؟! سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس فتنہ و فساد سے آپؐ نے منع فرمایا ہے اس کے تمام راستے بھی مسدود فرما دیے۔ کیونکہ خلافت کا معاملہ اگر اُمّت پر چھوڑ دیا جائے اور مسلمان اپنی مرضی سے اس مسئلے کو حل کریں تو لامحالہ آپس میں اختلافات پیدا ہوں گے۔

اور آخر کار اس معاملے کو جب اُمّت نے اپنے ہاتھ میں لیا تو ایسا ہی ہوا ——————!

اس کے برعکس اگر آپؐ خود خلیفہ معیّن فرما دیں اور اسے اُمّت کا ولی بنا دیں تو فتنہ و فسادِ کا باب بند ہو جائے گا۔

پس اسی لیے شیعہ ہر اس امر کے ساتھ ساتھ ہیں جو عقلی،

نقلی اور شرعی اعتبار سے درست ہو۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی یہاں یہ سوال کرے کہ شرعی اعتبار سے خلافت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے (منصوص) کیونکر ہے، جبکہ اس کے باہمی صلاح مشورے (شوریٰ) کے ذریعے طے کرنے کی بابت اہلِ سنت نے قرآنی آیتیں بھی بطور دلیل بیان کی ہیں ؟!

اہلِ تشیع اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

سورۂ شوریٰ کی اڑتیسویں آیت میں "اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" جو کہا گیا ہے اس سے خلافت کے منصوص ہونے کا یہ حکم تبدیل نہیں ہوسکتا۔ اس آیت میں انصار کی مدح کی جارہی ہے۔

کیونکہ ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ" ۔

(سورۂ آلِ عمران ۳ : آیت ۱۵۹)

یعنی : "(اے رسولؐ! یہ بھی) خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم جیسی نرم دل ہستی ان کو ملی اور اگر تم بدمزاج اور سخت دل ہوتے تب تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمہارے گرد سے تتر بتر ہوگئے ہوتے۔ پس (اب بھی) تم ان سے درگزر کرو اور ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور ان سے کام کاج میں مشورہ کرلیا کرو (مگر) اس پر بھی جب کسی کام کو ٹھان لو تو خدا ہی پر بھروسہ رکھو (کیونکہ) جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں خدا ان کو ضرور دوست رکھتا ہے۔"

شوریٰ ایک حکم یا اخلاقی تقاضا؟

سورۂ آلِ عمران کی ایک سو اُنسٹھویں آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس میں آنحضرتؐ کو اپنے اصحاب سے لازمی طور پر مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو خداوندِ عالم نے خود رسولؐ منتخب فرمایا ہے، البتّہ اس کے باوجود حق سبحانہٗ نے آپؐ کو مشورے کرنے کی ہدایت اِس لیے دی تاکہ اس طرح صحابہ کی اصل حالت کھُل کر سامنے آجائے ـــــــ اور سچّوں میں سے جھوٹوں، اور مومنین میں سے منافقوں کا پتہ چل جائے ـــــــ

اِسی طرح مشورہ کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اصحاب اپنی رائے کا استعمال کریں اور اس سے ان کی عقل کا جمود ٹوٹے اور رشدِ فکری پیدا ہو۔ کیونکہ ان میں بہت سے منافقین ایسے بے عقل تھے جو اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے بُتوں کی پُوجا کرتے تھے ـــــــ!

چنانچہ سورۂ محمدؐ کی تیسویں آیت میں ارشاد ہے:

"وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ"

یعنی: "اگر ہم چاہتے تو ہم تمھیں ان منافقین کو دکھا دیتے تو تم ان کی پیشانی ہی سے ان کو پہچان لیتے اور تم انھیں ان کے اندازِ گفتگو ہی سے جان لو گے اور خدا تمھارے اعمال سے خوب واقف ہے۔"

سورۂ احزاب کی تیرہویں آیت میں حق تعالیٰ نے منافقین کی زبانی ان کا بیان یوں نقل فرمایا ہے:

"اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا۔"

یعنی: "بے شک (منافقین یہ کہنے لگے تھے کہ) ہمارے گھر (مَردوں سے) بالکل خالی پڑے ہوئے ہیں حالانکہ وہ خالی (غیر محفوظ) نہ تھے۔ بلکہ (وہ منافق اسی بہانے سے) بھاگنا چاہتے تھے۔"

اور سورۂ مائدہ کی چوبیسویں آیت میں بنی اسرائیل نے جو حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا اس کا بیان یوں ہوا ہے:

"فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔"

یعنی: "(بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہا) تم جاؤ اور تمھارا خدا جائے اور دونوں جا کے لڑو ہم تو یہیں جمے بیٹھے ہیں۔"

سچ تو یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس پر شرعی احکام کی پابندی عائد ہوتی ہے اس بات پر مامور نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے خلیفہ معیّن کرے بلکہ سورۂ نسآء کی پینسٹھویں آیت نے یہ فیصلہ کر دیا کہ:

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔"

یعنی : "پس اے رسولؐ! تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوشی خوشی اس کو مان لیں۔"

اس آیۂ شریفہ میں مسلمانوں کو اپنے باہمی تنازعات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو دل سے قبول کرتے ہوئے حل کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ آیت : "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" کے ذریعے شوریٰ کے جس حکم کو حق بجانب قرار دیا جاتا ہے صحیح ثابت ہونا کوئی آسان نہیں ہے ـــــ! اِس لیے کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں علی علیہ السلام کے حامی اور پیروی کرنے والوں کا وجود تک نہیں تھا۔ گویا وہاں مخالف نظریہ رکھنے والوں کو کوئی جگہ نہیں دی گئی تھی۔

یعنی دوسرے جلیل القدر اصحابِ رسولؐ سقیفہ میں موجود نہیں تھے اور اس موقع کو بعض بزرگ صحابہ نے غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت ابو بکر کو منتخب کر لیا۔

اس سے بھی بڑھ کر قابلِ غور امر یہ ہے کہ وہاں پر موجود تمام صحابہ حضرت ابو بکر کی خلافت پر متفق نہیں ہوئے ـــــ!!

انصار کے سردار سعد بن عبادہ نے حضرت ابو بکر کی بیعت سے انکار کرتے ہوئے کہا :

"اگر میرے پاس تم سے لڑنے کے لیے مددگار ہوتے تو میں تم سے ضرور جنگ کرتا۔"

پھر حضرت سعد نے کبھی ان کے ساتھ جماعت سے نماز ادا

نہیں فرمائی ۔یہاں تک کہ حضرت عمر ابنِ خطاب ے دور میں پُراسرار طور پر ان کی لاش پائی گئی اور جواب میں یہ کہہ دیا گیا کہ :

" انھیں جنّ نے قتل کر دیا ہے ..... ! "

سقیفہ کے فیصلے پر حضرت علی علیہ السلام بھی ناراضگی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے ۔ آپؑ نے ابو بکر کی بیعت سے انکار کر دیا اور بعض مؤرخوں کے بقول چھ مہینے تک بغیر بیعت کے اپنے گھر ہی میں رہے !

حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ اور جلیل القدر صحابہ مثلاً عمار ابنِ یاسر، مقداد ، سلمان فارسی ،عبداللہ ابنِ عباس ، حضور اکرمؐ کے چچا عباس ، ابوذر غفاری ، طلحہ اور زبیر بھی اپنے اپنے گھروں میں گوشہ نشین ہو گئے! اور انھوں نے بھی ابو بکر سے بیعت نہیں کی ۔ [۱]

---

[۱] بیعت نہ کرنے والے صحابہ میں براء ابن عازب ،سعد ابن وقاص ،خزیمہ ابن ثابت ،ابن فروۃ ابن عمرو انصاری ، خالد ابنِ سعید ابن عاص اموی اور اسی طرح خاندانِ بنو ہاشم کے بزرگ شامل ہیں ۔ ملاحظہ فرمایئے کتاب "العقد الفرید" ابن عبدربہ کی دو مختلف طباعتوں کے حوالہ جات جلد ۴ صفحہ ۲۵۹ اور ۲۶۰ ، اور جلد ۲ صفحہ ۲۰۱، کتاب "مروج الذہب" جلد ۲ صفحہ ۳۰۱ ، کتاب " اسد الغابہ" مؤلف ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۲ ، "تاریخ الطبری" جلد ۳ صفحہ ۲۰۸ ، ابن الاثیر کی کتاب "الکامل" جلد ۲ صفحہ ۳۲۵ اور ۳۳۱ "تاریخ الیعقوبی" جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ اور ۱۰۵ ۔عبدالملک عاصمی مکی کی کتاب "سمط النجوم العوالی" جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ اور "السیرۃ الحلبیۃ" جلد ۳ صفحہ ۳۵۶ ۔

اب ہم یہاں پر حضرت ابو بکر کی خلافت پر ہونے والے ان احتجاجات کا تذکرہ کرتے ہیں جو تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں : (باقی اگلے صفحہ پر)

یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ بعض اصحاب رسولؐ نے نہ صرف یہ کہ ابو بکر کی بیعت نہیں کی بلکہ انھوں نے حضرت علیؑ کے بیعت نہ کرنے کی صورت میں خانۂ فاطمہؑ جلانے والوں کو ڈرایا بھی ــــــ!

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عباس ابن عبد المطلب نے ابو بکر کی خلافت کے سلسلے میں ان سے یوں کہا : "اگر یہ خلافت تمھارے نزدیک رسولؐ اللہ کا حق تھا اور اسے تم نے لے لیا ہے تو تم نے ہمارا حق لے لیا ہے۔ اور اگر یہ مومنین کا حق تھا جو تم نے حاصل کیا ہے تو ہم مومنین میں سب سے زیادہ مقدم ہیں اور اگر یہ مسئلہ خلافت مومنین نے تمھارے اوپر واجب کر دیا ہے تو بھلا کیسے؟! جبکہ ہم اسے پسند نہیں کرتے!("الامامۃ والسیاسۃ" ابن قتیبہ صفحہ ۱۵، طباعت مصطفیٰ محمد، مصر، "تاریخ الیعقوبی" جلد ۲ صفحہ ۱۰۴)

اسی طرح حضرت ابن عبّاس اور حضرت عمر کے درمیان اس وقت گرما گرم بحث ہوئی جب عمر نے ابنِ عبّاس سے کہا :

"تم لوگ زبردستی یہ چاہتے ہو کہ نبوّت اور خلافت دونوں تمھارے خاندان میں جمع ہوں اور تم اس پر فخر و مباہات کر سکو! چنانچہ تم اہلِ قریش نے اپنے لیے یہی کچھ چاہا اور خلافت بھی اپنے ہی خاندان میں قرار دے دی ..... "

ابنِ عبّاس نے جواب دیا :

"اگر قریش نے خلافت اپنے خاندان میں اس لیے قرار دی اور اسے پسند کیا کیونکہ یہ خدا کو پسند ہے تو وہ حق پر ہیں۔ اس طرح نہ تو وہ اللہ کی رحمت سے دور ہیں اور نہ ہی ان سے حسد کرنے کی ضرورت ہے۔ اور تمھاری بات کے جواب میں، میں کہوں گا کہ یقیناً ان لوگوں نے ہمارے ہاں نبوّت (باقی اگلے صفحہ پر)

صورتِ حال یہ تھی کہ عمر لکڑیاں جمع کر کے لے آئے تھے اور کہہ رہے تھے :

" خدا کی قسم میں اس گھر کو اس میں رہنے والوں سمیت جلا ڈالوں گا ! یا پھر یہ بیعت کے لیے نکل آئیں ! "

ان اصحابِ کرام نے ان سے کہا :

" اے حفصہ کے باپ ! تم اس گھر کو جلاؤ گے ! اس میں فاطمہ علیہا السلام رہتی ہیں ! "

عمر نے جواب دیا :

" رہتی ہیں تو رہا کریں ——— !! ؟ "

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ اور خلافت ہونے سے جو انکار کیا ہے تو اس سے ان کے تمام اعمال کا اجر و ثواب ختم ہو کر رہ جائے گا کیونکہ ارشادِ ربّ العزّت ہے :

" ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ " (سورۂ محمدؐ ۴۷ : آیت ۹)

یعنی : یہ اس لیے ہے کہ خدا نے جو چیز نازل فرمائی انھوں نے اس کو (ناپسند کیا) تو خدا نے ان کے اعمال کو بے کار کر دیا۔"

اس پر عمر نے ابنِ عباس سے کہا :

" مجھ تک تمھاری طرف سے ایسی باتیں پہنچی ہیں جنھیں سُن کر مجھے افسوس ہوا ہے اور تمھارا مقام میری نظروں میں گر گیا ہے ! میں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ ان لوگوں نے حسد ، سرکشی اور ظلم و جور کے ذریعے ہم سے خلافت چھین لی ہے ؟! "

اس پر ابن عباس نے جواباً فرمایا :

" جہاں تک ظلم و جور کر کے خلافت پر قابض ہونے کی بات ہے باقی اگلے صفحہ پر

غور فرمائیے عمر نے یہ کہہ کر کتنی بڑی جسارت کی ہے ؟ اس بات کی تائید کے لیے معروف شاعر حافظ ابراہیم نے عمر کی شان میں قصیدہ کہتے ہوئے جو اشعار کہے ہیں وہی کافی ہیں۔ یہ قصیدہ زبان زدِ خاص و عام ہے جس میں عمر کا یہ قول صریحاً بیان ہوا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تو یہ امر ہر پڑھے لکھے اور جاہل پر واضح ہے اور جہاں تک حسد کا تعلق ہے تو ہم سب اسی آدمؑ کی اولاد تو ہیں جن سے حسد سرزد ہو جایا کرتا ہے۔"

یہ سُن کر عمر نے کہا :

"افسوس صد افسوس ! خدا کی قسم۔ اے بنی ہاشم ! تمھارے دل ابھی تک حسد کی آگ میں جل رہے ہیں ! "

اس پر حضرت عباس نے فرمایا :

" ذرا آہستہ آہستہ اور سنبھل کر اے مسلمانوں کے حاکم ! تم اس قوم کے دلوں کو حسد جیسی برائی سے نسبت نہ دو جن کے بارے میں حق سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : " اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا " (سورۂ احزاب ۳۳ : آیت ۳۳) یعنی : " خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی برائی سے دور رکھے اور جیسا پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔" (ملاحظہ فرمائیے ابن الاثیر کی کتاب " الکامل " جلد ۳ صفحہ ۶۳ ، " تاریخ الطبری " جلد ۴ صفحہ ۲۲۳ ، عسکری کی کتاب " عبداللہ بن سبا " جلد ۱ صفحہ ۱۱۴ ، اور " شرح النہج ")

ایک مرتبہ طویل بحث و مباحثے کے بعد عمر نے ابن عباس سے پوچھا (باقی اگلے صفحہ پر)

اشعار ملاحظہ فرمایئے :

وقولـــةٌ لِعلیٍّ قـالها عـمر
اکرم لسامعها اعظم بملقیها

(یعنی : علیؑ کے لیے عمر کا جو قول ہے ، اس کے سننے والے کی عزّت کرو اور اس کے کہنے والے کو عظیم قرار دو۔)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) " کیا اب بھی تمھارے دل میں علیؑ کی خلافت کے بارے میں کچھ ہے ؟ "

ابنِ عبّاس نے کہا :

" ہاں ! بلکہ میں اس سے بڑھ کر تجھے بتاؤں کہ اس سلسلے میں، جب میں نے اپنے والد سے سوال کیا، کیونکہ وہ علیؑ کی خلافت کے بارے میں نصّ رسولِ اکرمؐ کا دعویٰ کرتے تھے تو انھوں نے اس کی تصدیق کی ——— !! "

پس حضرت عمر نے کہا :

" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ، علیؑ کے معاملے میں " ذِرْوٗ " سے کام لیا کرتے تھے ۔ "

ذِرْوٗ کے معنی تعریف و توصیف میں بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے ہیں ۔ یہ گویا ایک طرح سے عمر نے علیؑ کی عظمت کا اعتراف کیا ہے چنانچہ خود انھیں کا قول اُن کے خلاف حجّت ہے اور اب یہاں کسی اور عذر پیش کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ۔

اس کے علاوہ ایک مرتبہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت علیؑ سے ایک بڑا پتھر امتحان کی غرض سے اُٹھوایا تھا اور اس طرح (باقی اگلے صفحہ پر)

حرقت دارك لا أبقي عليك بها
إن لم تبايع وبنت المصطفیٰ فيها

عمؔر کا وہ قول یہ ہے کہ اے علیؑ (میں تمھارے گھر کو جلا ڈالوں گا اور تمھارے لیے اس میں کچھ بھی نہیں چھوڑوں گا ، اگر تم نے اور محمد مصطفیٰ کی بیٹی نے یہاں بیعت نہ کی ۔)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپؐ نے علیؑ کی شان لوگوں پر ظاہر کر کے یہ سمجھا دیا تھا کہ علیؑ میں ایسے اعلیٰ کمالات موجود ہیں ۔ اس طرح کے امور انجام دے کر اللہ کے رسولؐ امت کا امتحان لے رہے تھے اور جاننا چاہتے تھے کہ اگر کسی وقت میں علیؑ کی خلافت کا حکم دے دوں تو وہ اسے قبول کریں گے یا نہیں ؟؟ اور بلا شبہ آپؐ مرض الموت کے موقع پر صریحاً علیؑ کے نام خلافت منسوب کر دینا چاہتے تھے لیکن آپؐ کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا ـــــــ !

(احمد ابن ابی طاہر کی کتاب "تاریخ بغداد" جس میں انھوں نے معتبر اسناد کے ساتھ ابن عباؔس سے اس حدیث کو نقل فرمایا ہے ، اسی طرح علاؔمہ معتزلی نے "شرح نہج البلاغہ" کی تیسری جلد کے صفحہ ۹۷ پر حضرت عمؔر کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے اس حدیث کو تحریر کیا ہے ۔)

ایک مرتبہ ابن عباس سے بحث و مباحثہ کرتے ہوئے عمؔر نے کہا :

"میں تمھارے دوست (علیؑ) کو مظلومیت کے علاوہ کسی اور حالت میں نہیں پاتا ہوں ۔"

ابن عباؔس نے جواب میں فرمایا :

"تو پھر تم انھیں ان کا چھینا ہوا حق واپس لوٹا دو" (باقی اگلے صفحہ پر)

ماکان غیر ابی حفصٍ بقائلها
اُمام فارسِ عدنان وحامیها

(کوئی بھی شخص ابوحفص (عمر) کے علاوہ ایسی بات اس گھر میں اقامت کرنے والے شہسوار (علیؑ) اور ان کے حامیوں کے سامنے نہیں کہہ سکتا ــــــ!)

یہ اشعار اور اسی سے ملتے جلتے دیگر اقوال بعض دُوسرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اُس نے کہا :

"اے ابنِ عباس! میں سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں نے انھیں یہ حق اس لیے نہیں دیا کیونکہ ان کی قوم انھیں معمولی سمجھتی تھی۔" یہ کہا اور بھی کچھ کہا۔

اس پر ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے جواب میں ان سے کہا :

"خدا کی قسم جنھیں اللہ اور اس کا رسولؐ تمھارے ساتھی سے سورۂ برأت واپس لینے کا حکم دیتے وقت چھوٹا اور معمولی نہ سمجھے وہ کیسے معمولی ہو سکتا ہے ؟! یہ سُن کر انھوں نے کہا : فوراً مجھ سے دور ہو جاؤ۔ چنانچہ میں ان کے پاس سے لَوٹ گیا۔"

(اس بات کو سیرت لکھنے والوں نے عمرؔ کے حالات میں درج کیا ہے اور میں نے اسے "شرح نہج البلاغہ" سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ اس کی تیسری جلد کا صفحہ ۱۰۵ ملاحظہ فرمائیں۔)

ایسے بحث و مباحثے کے دوران حضرت عمرؔ نے ابنِ عباؔس سے کہا :

"لقد کان فیکم اولیٰ بِھٰذا الأمر منّی و من ابی بکر"

یعنی : "بلاشبہ اس امرِ خلافت کے لیے مجھ سے اور ابوبکر سے (باقی اگلے صفحہ پر)

اہلِ سنّت کے بھی ہیں اور بعض دانشور اس کی تصدیق بھی کرتے ہیں لیکن اہلِ تشیع کے ہاں جو روایت ہے اس امر پر بہت سے علمائے اہلِ سنّت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) زیادہ سزاوار تمھاری (قوم) میں پائے جاتے ہیں۔"

(ملاحظہ کیجئے راغب اصفہانی کی کتاب "محاضرات" کی جلد ۷ صفحہ ۲۱۳، "الغدیر" جلد ۱ صفحہ ۳۸۹ اور بیروت میں طبع ہونے والی "الغدیر" کی جلد ۲ صفحہ ۸۰۔)

اسی طرح محمد ابو الفضل کی تحقیق کے مطابق ابن ابی الحدید نے "شرح نہج البلاغہ" کی جلد ۲ اور اسی کتاب کی ایک اور طباعت کی جلد ۱ صفحہ ۱۳۴ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"وَقَالَ عمر: یا ابن عباس أما واللہ إنَّ صاحبکم لَاَولَی النَّاس بالأمر بَعْدَ رسول اللہ إلَّا إنَّا خَفْنَا عَلَی اثْنَتَیْنِ ...."

یعنی: "حضرت عمر نے کہا: اے ابن عبّاس! سنو! خدا کی قسم تمھارا دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں امرِ خلافت کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے لیکن ہم نے دو باتوں کی وجہ سے اسے معمولی سمجھا....."

اس پر حضرت ابن عبّاس نے پوچھا:

"وہ دو باتیں کون سی ہیں ——— ؟"

عمر نے جواب دیا:

"ان میں سے ایک بات تو یہ کہ وہ کم سِن تھے اور دوسرے یہ کہ وہ خاندانِ عبد المطّلب سے تعلّق رکھتے تھے!"

نے اعتماد کرتے ہوئے کہا ہے:

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حجّۃ الوداع سے لوٹتے وقت اپنی حیاتِ طیّبہ سے کچھ دن پہلے اپنا خلیفہ معیّن فرمادیا تھا۔

یہ اٹھارہ ذی الحجہ ۱۰ھ کی بات ہے۔

جب آپؐ نے مکّہ اور مدینہ کے درمیان کی وہ جگہ جہاں سے راستے جدا ہوتے تھے، حجّاج کرام کے قافلوں کو روک لیا۔ اس جگہ کا نام خُم ہے۔

یہاں آپؐ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

"یقیناً میرے پرورد گار نے مجھے ایسی چیز کا حکم دیا ہے جس کی وجہ سے میں ایک عجیب سی کیفیّت محسوس کرتا ہوں۔ پروردگارا! بے شک میری یہ اُمّت دورِ جاہلیت کی طرف لوٹ کر نہیں جائے گی اگر اس نے اس حکم کو خوب اچھی طرح سے قبول کرلیا۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس سلسلے میں یہ مجھے جھٹلا نہ دے!"

رسولِؐ مقبول ابھی یہ فرما ہی رہے تھے کہ جبرائیلؑ وحی لے کر نازل ہوئے:

"یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ" (سورہ مائدہ ۵: آیت ۶۷)

یعنی: "اے رسولؐ جو حکم تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچادو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھ لو کہ) تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا اور (تم ڈرو نہیں) خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔"

غدیر

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی کے آخری حج سے واپس لوٹ رہے تھے اور حجاج کرام کے قافلے اپنی اپنی سمتوں میں روانہ ہوا چاہتے تھے۔ ایسے میں منادی نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر تمام حاجیوں کو ایک جگہ جمع ہو جانے کے لیے کہا۔

اس جگہ کو "غدیرِ خُم" کہا جاتا ہے۔

سب جمع ہو گئے۔ پالانِ شتر کا منبر تیار ہوا اور سرکارِ رسالتؐ اس پر تشریف لانے کے بعد یوں مخاطب ہوئے:

"کیا تمھیں، میرے اپنے پروردگار کی جانب سے رسولؐ ہونے اور جو کچھ میں نے دعویٰ کیا ہے اس کے بارے میں کوئی شک ہے؟ اور اس کے جواب میں جن چیزوں کے تم قائل ہوئے اور جو کچھ اب تم کہتے اور کرتے ہو اس کے سلسلے میں تردّد کا شکار ہو؟"

سب نے مل کر جواب دیا:

"اے اللہ کے رسولؐ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ

نے امانت ادا فرمائی۔ رسالت کا پیغام پہنچایا، امّت کو نصیحت کی اور اللہ کی راہ میں یہاں تک سعی و کوشش فرمائی کہ ہمیں یقین حاصل ہو گیا۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"کیا تم لوگ اس بات پر گواہ نہیں کہ میں مومنین پر ان کے اپنے نفسوں، ازدواج میں بندھے ہوئے رشتوں اور ان کی ماؤں پر، ان سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟"

سب نے کہا:

"ہاں! یا رسولؐ اللہ، آپؐ زیادہ حق اور اولویت رکھتے ہیں۔ ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔"

پس آپؐ نے علی علیہ السّلام کا بازو تھام کر اٹھایا اور منبر پر لے جا کر بلند کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ، اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہُ، وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہ، وَادِرِ الْحَقَّ مَعَہُ کَیْفَمَا دَارَ۔"

یعنی: "جس جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ مولا ہیں پروردگارا! تو اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور تو اسے دشمن رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے۔ اس کی مدد فرما جو علیؑ کی مدد کرے اور جو ان کی حمایت چھوڑ دے تو اس کی حمایت چھوڑ دے۔ اور جس طرف بھی یہ چلیں اسی طرف حق کو موڑ دے۔"

یہ ارشاد فرمانے کے بعد آپؐ نے اپنا عمامہ اُتار کر علیؑ کو پہنا دیا اور ساتھ انھیں امیر المومنینؑ بننے پر سب کو باری باری مبارک باد دینے کی تاکید فرمائی۔

مبارک باد دینے والوں میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر ابن خطاب کا نام سرفہرست آتا ہے۔ انھوں نے بَخٍ بَخٍ لَكَ یا علیؑ کہہ کر مبارک باد دی۔ یعنی: مبارک ہو مبارک آپؐ کو یا علیؑ، آپؑ ہمارے اور تمام مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے۔

اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے معروف شاعر حسان ابن ثابت انصاری نے حضورؐ سے اس موقع پر چند اشعار پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ اور اسی وقت جبرئیلِ امینؑ یہ آیۂ مبارکہ لے کر نازل ہوئے:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"

(سورۂ مائدہ ۵: آیت ۳)

یعنی: "میں نے آج کے دن تمھارے دین کو کامل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے اس دین اسلام کو پسند کیا۔"

جلیل القدر عالم سیّد رضی نقل فرماتے ہیں کہ حسان ابن ثابت انصاری نے حضورِ اکرمؐ سے اجازت لے کر غدیرِ خم میں یہ اشعار کہے اور سب کو پڑھ کر سُنائے:

ینادیھم یوم الغدیر نبیّھم
بخمٍّ واسمع بالرّسول منادیًا

(عیدِ غدیر کے دن ان کے نبیؐ نے انھیں خم کے میدان میں ندا دی اور انھوں نے اپنے رسولؐ کی اس ندا کو سُنا۔)

فقال: فمن مولاکم ولیکم
فقالوا: ولم یبدوا ھنالك التعامیا

(پس آپؐ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا! تمھارا مولا اور ولی کون ہے۔ سب نے کہا: ہم میں اس بارے میں کوئی مخالفت نہیں پائی جاتی)

اِلٰھكَ مولانا وانت ولیُنا
ولم ترمّنا فی المقالۃ عاصیًا

(آپؐ کا معبود ہمارا معبود ہے وہ ہمارا مولا ہے اور آپؐ ہمارے مولا ہیں۔ ہم نے آپؐ کی کسی بات میں کوئی عیب اور سرکشی نہیں پائی۔)

فقال لہ: قم یا علی فانّنی
رضیتك من بعدی اماماً وھادیًا

(تو آپؐ نے علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے علیؑ اٹھو، میں تمھارے لیے اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ تم میرے بعد امام اور ہادی قرار پاؤ۔)

فمن کنت مولاہ فھٰذا ولیّہٗ
فکونوا لہٗ اَنصَارَ صِدقٍ مَوَالِیًا

(پس جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ (علیؑ) مولا ہیں تو تم سب کے سب ان کے سچّے مددگار اور دوست ہو جاؤ۔)

ھناك دعا: اللّٰھُمَّ والِ ولیّہٗ
وکُن لِلّذی عادیٰ علیًّا معادیًا

(اور اس موقع پر آپؐ نے دعا فرمائی: بارالٰہا! تو اسے دوست

رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور تو اسے دشمن رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے۔)

واقعۂ غدیر کے بعد اسے بے بنیاد اور من گھڑت ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی حالانکہ اس بارے میں اسے بے بنیاد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ مسلمہ امر جو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوا اس کی تائید میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے معجزات بھی ظاہر ہوئے جن سے اس کا برحق ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

ایسے ہی تاریخی معجزات میں نعمان فہری کا واقعہ ہے۔ یہ واقعہ ہر اس شخص کے لیے باعثِ رہنمائی ہے جو علیؑ اور اہلِ بیت علیہم السّلام سے بیزاری اور عداوت رکھتا ہو۔

واقعہ یوں ہے:

حضورِ اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے علی علیہ السّلام کی ولایت کا اعلان کر دینے کے بعد فرمایا:

"جو (حجاج کرام) یہاں موجود ہیں انھیں چاہیئے کہ یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔"

یہ پیغام سُن کر حجاج کرام اپنے اپنے مقامات پر چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے رسولِ خداؐ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہ پیغام دوسروں تک پہنچایا۔ چنانچہ یہ بات جب ایک اعرابی نعمان فہری تک پہنچی تو وہ فوراً اپنی سواری پر بیٹھ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ شخص علی ابن ابی طالب علیہ السّلام سے دشمنی رکھتا تھا۔ مدینہ میں داخل ہونے کے بعد یہ مسجد کے سامنے رکا۔ پھر یہ کہتے ہوئے مسجد میں داخل ہوا:

"اے محمدؐ! کیا یہ کافی نہیں ہے کہ تم نے ہمارے خداؤں

کی ہنسی اڑائی اور ہمیں ایک خدا کی پیروی کا حکم دیا۔
پھر تم نے ہمیں نماز، روزے اور زکوٰۃ کا پابند بنایا۔
ہم نے تصدیق کی اور تمھاری پیروی کی۔ کیا اسی حد
تک کافی نہیں تھا ؟! اب مزید اپنے چچازاد بھائی
کے مرتبے کو بلند کر کے اسے ہم پر فضیلت دینے کی کیا
ضرورت تھی ؟! تم نے تو یہ تک کہہ دیا: 'جس جس
کا میں مولا ہوں اس اس کے یہ علیؑ مولا ہیں اور پروردگار
تو اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور جو اس
سے دشمنی رکھے تو اسے دشمن رکھ!' یہ سب کچھ تم
اپنی طرف سے کہہ رہے ہو یا اللہ کی طرف سے ؟"

یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی آنکھیں جلال سے
سُرخ ہو گئیں اور آپؐ نے کمالِ متانت سے بڑی کشادہ دلی کے ساتھ فرمایا:

"خدا گواہ ہے یہ سب کچھ اسی کی جانب سے ہے۔ میں
تو اس کا ایک بندہ ہوں جو کچھ بھی مجھے حکم دیا جاتا
ہے اسے بجا لاتا ہوں اور نافذ کر دیتا ہوں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس جواب سے وہ بے شرم
اور ہٹ دھرم مطمئن نہیں ہوا بلکہ یہ کہتے ہوئے مسجدِ نبویؐ سے نکلنے لگا:

"خداوندا! اگر محمدؐ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان
سے پتھروں کی بارش کر کے دردناک عذاب سے ہلاک
کر دے!"

اس بدبخت کا یہ کہنا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر چلا جو اس کے

سر کو چیرتا ہوا نکل گیا اور وہ ناہنجار اپنی سواری کے سامنے ہی گر کر ہلاک ہوگیا۔
اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السّلام یہ آیتیں لے کر نازل ہوئے:

"سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝١ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ۔"
(سورۂ معارج ۷۰: آیات ۱ اور ۲)

یعنی: "ایک مانگنے والے نے کافروں کے لیے ہو کر رہنے والے عذاب کو مانگا، جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔"

یہ واقعہ اہل بیت علیہم السّلام سے مروی ہے۔ نیز اس واقعہ کو بہت سے علمائے اہلِ سنّت نے بھی نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کی عقل اور نقل دونوں اعتبار سے تائید ہوتی ہے۔

اب ذرا سوچیے کہ بھلا یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ اس دنیا سے بغیر خلیفہ معیّن کیے ہوئے خالقِ حقیقی سے جا ملے! ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا ــــــ!

آنحضرتؐ نے اپنی وفات سے قبل خلیفہ معیّن فرمایا، اسی پر اللہ نے دینِ اسلام کو پایۂ تکمیل تک پہنچ جانے کی سند عطا فرمائی، اسے درجۂ کمال تک پہنچا دیا اور ساتھ ہی ان کے لیے اس دین اسلام کو پسند فرمالیا۔

خوب اچھی طرح غور کیجیے کہ ــــــ

غدیرِ خم میں کیا ہوا ــــــ؟

اس کا حاصل کیا ہے ــــــ؟ اور پھر اس طرح کے تمام اختلافات آپؐ کے بعد کیوں سامنے آئے؟

اور اہلِ سنّت بھی غور و خوض کریں کہ حضرت امام علیؑ میں حضورِ اکرمؐ کے بعد اور بھی بہت سے امتیازات تھے۔ اگر آپ لوگ بھی حضرت

محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے تعلّق سے علیؑ میں پائی جانے والی متعدّد خصوصیات پر توجّہ فرمائیں تو یقیناً اس طرح آپ پر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ آنحضرتؐ نے علیؑ کو اپنا خلیفہ معیّن فرما دیا تھا۔

دعوتِ ذوالعشیرہ

"وَاَنذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔" (سورۂ شعراء ۲۶: آیت ۲۱۴)

یعنی: "(اے رسولؐ) تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذابِ خدا) سے ڈراؤ۔"

جب یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی تو حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے تمام رشتہ داروں کو دعوت دی۔ تاریخ میں اس واقعہ کو دعوتِ ذوالعشیرہ کا نام دیا جاتا ہے۔

اس موقع پر آپؐ نے اپنے تمام چچاؤں اور دیگر اعزّہ واقربأ کو کھانا کھلایا اور سب کو کھانا کھلانے کے بعد فرمایا:

"اے خاندانِ عبدالمطّلب! اور اے خاندانِ عبدمناف، اگر میں تمھیں یہ خبر دوں کہ ایک قوم تم پر حملہ آور ہوا چاہتی ہے تو کیا تم اسے سچ مانو گے اور اس پر یقین کرلو گے۔"

سب نے جواب دیا:

"کیوں نہیں! آپؐ تو صادق اور امین ہیں۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا :

"خدا کی قسم میں تمھارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی
(کا نظام) لے کر آیا ہوں۔ تو اب تم میں سے جو بھی
اس کام میں میرا بوجھ اٹھائے گا وہ میرا بھائی،
میرا وصی اور میرے بعد میرا جانشین ہوگا۔"

یہ سُن کر سب لوگ خاموش رہے البتہ علیؑ جو عمر میں سب سے
چھوٹے مگر سب سے بہادر اور جری تھے انھوں نے بڑھ کر لبیک کہی ـــــ !
اور جب دوسری اور تیسری مرتبہ بھی یہی کچھ ہوا تو آپؐ نے علیؑ کا بازو
پکڑ کر فرمایا :

"یہ میرے بھائی، میرے وصی اور سب پر میری طرف
سے خلیفہ ہیں۔ لہٰذا تم لوگ ان کی بات سنو، اور
اطاعت کرو۔"

یہ سُن کر دعوت میں آئے ہوئے لوگ ہنستے ہوئے ابوطالب
سے کہنے لگے :

"انھوں نے یعنی محمدؐ نے، تمھیں، تمھارے اپنے بیٹے
کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔" [1]

---

[1] یہ حدیث کتابوں میں "حدیث الدار" کے نام سے معروف ہے۔ حضرت علی علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جب یہ آیت : "وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ" نازل ہوئی تو اس وقت یہ تمام واقعہ پیش آیا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں بھی موجود ہے۔ بہت سے حفاظ اور علماء نے اس کے (باقی اگلے صفحہ پر)

مسئلۂ خلافت پر اس حد تک گفتگو کرنے کے بعد اب ہم آپ کی توجّہ چند اہم سوالات کی جانب دلا کر بحث کے دائرے کو کچھ وسعت دینا چاہتے ہیں۔ البتہ کافی طولانی بحث میں پڑنے کا ارادہ نہیں کیونکہ اِس سلسلے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہی الفاظ یا اسی سے ملتے جلتے الفاظ نقل کیے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے: "تاریخ الطبری" صفحہ ۳۱۹ تا ۳۲۱، مطبوعہ "دار المعارف" مصر، ابن ابی الحدید کی "شرح نہج البلاغہ"، جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۰ تا ۲۴۴، تحقیق محمد ابو الفضل مطبوعہ مصر، حلبی شافعی کی کتاب "السیرۃ الحلبیہ" جلد ۱ صفحہ ۳۱۱۔ شائع کرنے والا ادارہ "المطبعۃ البہیتہ" مصر۔ "منتخب کنز العمال" جس پر "مسند احمد" کا حاشیہ موجود ہے کی جلد ۵ صفحہ ۴۱ اور ۴۲، شائع کرنے والا ادارہ "المیمنیۃ" مصر حسکانی کی کتاب "شواھد التنزیل" جلد ۱ صفحہ ۳۷۱ حدیث ۵۱۴ اور ۵۴۰ مطبوعہ بیروت۔ "کنز العمّال" جلد ۱۵ صفحہ ۱۱۵ حدیث ۳۳۴۰ مطبوعہ حیدر آباد، طباعت ثانی۔ ابن عساکر شافعی کی کتاب "ترجمۃ الامام علیؑ ابن ابی طالب من تاریخ دمشق" جلد ۱۱ صفحہ ۸۵ حدیث ۱۳۹، ۱۴۰ اور ۱۴۱ طباعت اوّل بیروت اور اسی کتاب کی طباعتِ ثانی صفحہ ۹۹ حدیث ۱۳۷، ۱۳۸ اور ۱۳۹۔ التفسیر المنیر لمعالم التنزیل، جلد ۲ صفحہ ۱۱۸ طباعت ثالث۔ علاء الدین شافعی کی "تفسیر الخازن" جلد ۳ صفحہ ۳۷۱ اور ۳۹۰ مطبوعہ مصر۔ محمد حسین ہیکل کی کتاب "حیاۃ محمدؐ" صفحہ ۱۰۴ طباعت اوّل ۱۳۵۴ھ البتہ طباعت ثانی اور بعد کی طباعتوں میں سے حدیث نبویؐ کے الفاظ "وَاَنْ یَکُوْنَ اَخِیْ، وَوَصِیِّیْ وَخَلِیْفَتِیْ فِیْکُمْ" کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی طباعت اوّل میں حدیث کے ان الفاظ کا پایا جانا اور بعد کی طباعتوں میں سے ان کا حذف کر دیا جانا واضح کرتا ہے کہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے علیؑ کو اپنا جانشین اور خلیفہ معیّن فرما دیا تھا!

ہیں دلیلیں تو بہت ہیں لیکن یہاں اختصار سے کام لینا مقصود ہے۔

بس ہم چند سوالات کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس سے آپ کا ذہن بعض حقائق کی جانب ملتفت ہو جائے۔ اسی لیے تو ایک دوسرے کو وعظ و نصیحت کرنے کی آزادی دی گئی ہے تاکہ انسان حقائق تک رسائی حاصل کر سکے۔ جو شخص اپنی رائے اور دلیل کے ذریعے کسی پر غلبہ پانا چاہے اس کے لیے یہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔

یہاں میں صرف اِتنا کہنا چاہتا ہوں کہ خلافت، نصِّ قرآن کریم اور احادیثِ نبویؐ کی رو سے ثابت ہے اور جب رسول اللہؐ نے خلیفہ معیّن فرما دیا تو اس پر دینِ اسلام مکمّل ہوا۔

یہ خلافت علیؑ کے جملہ حقوق میں سے ایک حق ہے۔ البتہ جب ان کا یہ حق غصب کر لیا گیا تو انھوں نے اس پر صبر کیا۔ جیسا کہ اس سلسلے میں انھوں نے خطبۂ شقشقیہ میں بیان فرمایا ہے۔ اس خطبہ کا ذکر ہم ذرا بعد میں کریں گے۔

پہلے یہ سوال کہ:

خلافت کا فیصلہ شوریٰ کے ذریعے ہونا چاہیے یا نہیں؟

جی ہاں، پہلی خلافت جس کے بارے میں جناب ابوبکر کی رائے ہے کہ اس کا فیصلہ شوریٰ کے ذریعے بالکل درست ہوا، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اس بات پر خود حضرت عمر ابنِ خطاب گواہ ہیں جیسا کہ بخاری اور مسلم شریف میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

"اَنَّ بیعۃَ اَبی بَکرٍ کَانَت فَلتَۃً۔ (بلاشبہ

ابو بکر کی بیعت ایک جلد بازی کا کام تھا!) وقی اللہ شرّھا المسلمین (اللہ تعالیٰ نے اس شورائی خلافت کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا) والذی یعود لمثلھا اقتلوہ (اور آئندہ جو بھی اس شورائی عمل کو دُہرائے اسے قتل کردو)"۔[1]

غور فرمائیے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی بیعت کو "فلتۃ" یعنی جلد بازی اور اچانک رونما ہونے والے واقعے سے تعبیر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ نے اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ فرمایا۔[2]

---

[1] غور طلب بات یہ ہے کہ ایسے ہی الفاظ حضرت ابوبکر کے بھی ہیں انھوں نے فرمایا: اِنَّ بَیْعَتِیْ فَلْتَۃٌ وقی اللہ شرّھا وخشیت الفتنۃ...... (یقیناً میری بیعت جلد بازی کا کام تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے محفوظ رکھا اور مجھے تو فتنہ وفساد کا ڈر تھا!) ملاحظہ فرمائیے: ابن ابی الحدید کی "شرح النہج" جلد ا صفحہ ۱۳۲ اور ابوالفضل نے اسی کتاب کے سلسلے میں جو تحقیق لکھی ہے اس کی جلد ۲ صفحہ ۱۹۔ اور بلاذری کی کتاب "انساب الاشراف" جلد ا صفحہ ۵۹۰ مطبوعہ مصر۔

[2] حضرت عمر کا یہ قول "صحیح البخاری" کی فصل "حدود" کے باب "اگر حاملہ عورت زنائے محصنہ کا ارتکاب کرے" میں ملاحظہ فرمائیے، جلد ۸ صفحہ ۲۶، شائع کرنے والا ادارہ "دارالفکر" استنبول۔ اسی طرح وہ صحیح بخاری جسے "مطابع الشعب" نے شائع کیا ہے اس کی جلد ۲ صفحہ ۲۱۰۔ داراحیار الکتاب کے زیر اہتمام چھپنے والی صحیح بخاری کی جلد ۴ صفحہ ۱۱۹ اور محمد علی صبیح کی تالیف جلد ۸ صفحہ ۲۰۸ (باقی اگلے صفحہ پر)

دو سال تک خلافت پر رہنے کے بعد جب حضرت ابوبکر کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے حضرت عمر ابنِ خطاب کو تحریری طور پر اپنا جانشین اور خلیفہ مقرّر کر دیا۔ اور اس سلسلے میں انھوں نے مسلمانوں سے کوئی صلاح مشورہ نہیں کیا!

ابنِ قتیبہ کا شمار اہلِ سنّت کے مجاہد علمار میں ہوتا ہے۔ انھوں نے خلفار کی تاریخ پر ایک کتاب "الامامۃ والسیاسۃ" تحریر کی ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں:

"طلحہ اور زبیر، حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور انھوں نے کہا: تم اللہ کے سامنے کیا جواب دو گے۔ تم نے تو ہم پر ایک بدخُلق اور تُند مزاج شخص کو مسلّط کر دیا ہے! اور اس سے ان دونوں کی مراد یہ تھی کہ وہ حضرت عمر کی خلافت پر راضی نہیں ہیں۔ حضرت عمر کو وصیّت لکھ کر جب خلیفہ بنا دیا گیا تو کسی صحابیٔ رسولؐ نے ان سے پوچھا اے ابوحفصہ اس وصیّت میں کیا لکھا تھا؟ حضرت عمر نے جواب دیا: "مجھے نہیں معلوم! البتہ جس شخص نے اسے پہلی بار سُنا مان لیا اور اس سننے والے نے مجھ سے کہا خدا کی قسم! ہم سمجھ گئے کہ آپ ہمارے امیر اور حاکم ہو گئے ہیں۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس کے علاوہ مزید آگاہی حاصل کرنے کے لیے "سبیل النجاۃ فی تتمۃ المراجعات" کا نمبر ۸۲۶ مطالعہ فرمایئے۔

غور فرمائیے! حضرت عمر ابنِ خطاب کو حضرت ابو بکر کے نصّ یعنی تحریری وصیّت کے ذریعے خلیفہ بنایا گیا جو خود حضرت ابو بکر کی خلافت کو "فلتہ" (بے سوچے سمجھے کا کام) قرار دیتے تھے! اور اس سلسلے میں شوریٰ یعنی مسلمانوں سے صلاح مشورہ کرنے کو بھی قطعاً ضروری نہیں سمجھا گیا!!

اور پھر جب حضرت عمر ابنِ خطاب بوڑھے ہو گئے اور ان کی موت کا وقت قریب آ گیا تو انھوں نے دوسرے کو خلافت سپرد کرنے کا ایک بالکل نیا طریقہ اپنایا اور اسلام میں ایک نئی بدعت پیدا ہو گئی۔

انھوں نے چھ صحابہ کو منتخب کرنے کے بعد ان سے کہا:

"تم اپنے میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کر لو۔"

البتّہ یہ کہنے کے بعد اپنی ذہانت کی وجہ سے فکر میں پڑ گئے اور سوچنے لگے کہ ان چھ میں عنقریب اختلاف پیدا ہو گا اور آخر میں نسلی اور خاندانی تعصّبات اُبھر کر سامنے آئیں گے اس لیے فرمایا:

"اگر تم میں اختلاف پیدا ہو تو جس طرف عبدالرّحمان ہوں اس کا ساتھ دینا۔"

چنانچہ عبدالرّحمان کی طرف رجوع کیا گیا۔ اس نے حضرت علیؑ اور عثمان کو چُن لیا۔ البتّہ پہلے مرتبے پر حضرت علیؑ تھے۔ پھر عبدالرّحمان نے حضرت عثمان اور حضرت علیؑ کو لوگوں کے سامنے مسجد میں بلایا۔ کیونکہ عبدالرّحمان ابن عوف کو ان دونوں میں سے ایک کے حق میں فیصلہ کرنا تھا اور فیصلہ کر کے نافذ کرنے کا حق مل چکا تھا۔ چنانچہ انھوں نے پہلے حضرت علیؑ سے پوچھا:

"اے علیؑ! کیا تم کتابِ خدا، سنّتِ رسولؐ اور سابقہ خلفاء

ابوبکر و عمر کی سنّت کے مطابق حکومت کرو گے ؟"

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا :

" خداوندا ! میں صرف تیری کتاب اور سنّت رسولؐ کے مطابق ہی نظمِ مملکت چلاؤں گا ! "

یہ جواب سن کر حضرت علیؑ کو خلافت نہیں دی گئی اور حضرت عثمان کو بلا کر ان سے اس آخری شرط (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی سنّت کی پیروی) کو طلب کیا گیا۔ انھوں نے اسے قبول کر لیا۔ لہٰذا کہا گیا :

" مبارک ہو ! آپ امیرالمومنین ہو گئے۔"

یہ سارا ماجرا دیکھ کر حضرت علی علیہ السلام یہ کہتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو گئے :

" اے اللہ ! مجھے اس شوریٰ سے کیا لگاؤ ؟ ان میں کے سب سے پہلے کے مقابلے ہی میں میرے استحقاق و فضیلت میں کب شک تھا جو اب ان لوگوں میں بھی شامل کر لیا گیا ہوں۔ مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب وہ زمین کے نزدیک پرواز کرنے لگیں تو میں بھی ایسا ہی کرنے لگوں اور جب وہ اونچے ہو کر اُڑنے لگیں تو میں بھی اسی طرح پرواز کروں۔ (یعنی حتی الامکان کسی نہ کسی صورت میں نباہ کرتا رہوں) ..... "

(خطبۂ شقشقیہ سے اقتباس)

اے میرے برادرِ اسلامی ! معلوم ہے کہ یہاں شوریٰ نام کی کوئی چیز نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد صرف علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خلاف

محاذ قائم کرنا تھا۔

کیونکہ حضرت علیؑ کی خلافت نصِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور شوریٰ دونوں طرح سے ثابت ہے۔ کیونکہ جب حضرت عثمان کو قتل کر دیا گیا تو تمام صحابۂ کرام نے انکساری کے ساتھ جمع ہو کر حضرت علیؑ کو خلیفہ منتخب کیا۔

حضرت علیؑ خلافت قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان جمع ہونے والوں نے آپؑ کو قتل کرنے کی دھمکی دیتے ہوئے کہا:

"اگر آپؑ نے خلیفہ بننے سے انکار کیا تو ہم آپؑ کو آپؑ کے ساتھی کے ساتھ ملحق کر دیں گے!"

اور ایک موڑ ایسا بھی آیا جس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"اس وقت لوگوں کے ہجوم نے مجھے دہشت زدہ کر دیا جو میری جانب بجّو کے یال کی طرح ہر طرف سے لگاتار بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ یہ عالم ہوا کہ حسنؑ اور حسینؑ کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے تھے اور وہ سب میرے گرد بکریوں کے گلّے کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے......."

(خطبۂ شقشقیہ سے اقتباس)

بہرحال، ایسی صورت میں حضرت علی علیہ السّلام نے ان لوگوں کو ایک شرط کا پابند کر کے خلافت قبول فرمائی۔ وہ شرط کیا تھی ــــــ؟!

——— ☼ ———

حضرت علی علیہ السّلام کی شرط

جب ہر طرف سے لوگوں نے حضرت علی علیہ السّلام کو خلافت قبول کر لینے پر اصرار کیا تو آپؑ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا :

" میں اللہ تعالیٰ کو گواہ قرار دے کر ہر اس شخص سے پوچھتا ہوں جو غدیرِ خم میں موجود تھا کہ انھوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے کیا سنا تھا ؟ "

پس تیرہ صحابیٔ رسولؐ اور چودہ غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے اصحابِ رسولؐ کھڑے ہوئے اور انھوں نے گواہی دی کہ ہم نے وہاں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے :

" مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ ...... "

ابنِ قتیبہ لکھتے ہیں کہ بعض صحابہ نے ولایتِ علیؑ کی اس گواہی کو چھپایا! انھیں میں انس بن مالک ، براء ابنِ عازب اور جریر بجلی کا نام آتا ہے! طبری نے انھیں اصحاب العاہات (یعنی روگ لگ جانے والے اصحاب) کے لفظ سے یاد کیا ہے ۔ کیونکہ جب حضرت علی علیہ السّلام منبر سے نیچے تشریف لائے تو آپؑ نے انس بن مالک سے پوچھا :

"ان اصحابِ رسولؐ نے جس چیز کی گواہی دی ہے کیا تم
اس پر گواہ نہیں ہو ـــــــ ؟"

انھوں نے کہا :

"اے امیر المومنین! میں بوڑھا ہو چکا ہوں چنانچہ اب
اس وقت کی بعض چیزوں کو یاد رکھنے سے قاصر ہوں"۔

حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا :

"اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو خداوند متعال تمھاری
پیشانی پر ایسا سفید داغ پیدا کر دے جسے تم عمامے
سے نہ چھپا سکو۔"

چنانچہ ابھی یہ شخص اپنی جگہ سے اٹھا بھی نہیں تھا کہ برص کی
بیماری کا شکار ہو گیا۔ وہ روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا :

"یہ مرض مجھے اس لیے لاحق ہوا ہے کہ مجھ تک عبدِ صالح
حضرت امیر المومنینؑ کا پیغامِ برحق پہنچا لیکن میں نے اس
کی گواہی نہیں دی۔"

حقیقتِ امر یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے خلافت قبول کرنے کے
سلسلے میں یہ شرط عائد کر دی تھی کہ وہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی سنّت پر
عمل کرنے کے پابند نہیں ہوں گے بلکہ کتابِ خدا اور سنّتِ رسولؐ پر عمل پیرا
رہیں گے۔

حضرت علیؑ کی اس شرط سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر
اور حضرت عمر نے ایسی باتیں پیدا کر دی تھیں جن کا کتابِ خدا اور سنّتِ
رسولؐ سے تعلّق نہیں پایا جاتا تھا۔ اسی لیے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام

نے ان پر عمل کرنے سے انکار فرما دیا تھا۔ جب کہ اس سے قبل حضرت عثمان نے بڑی عجز و انکساری کے ساتھ سابقہ دو خلفاء کی سنّت پر عمل پیرا رہنے کو قبول کر لیا۔ البتہ انھوں نے بھی اس کی پابندی نہیں کی۔ یہاں تک کہ بعض مؤرخین لکھتے ہیں :

" بلاشبہ حضرت عثمان نے نہ تو کتاب خدا اور سنّتِ رسولؐ پر عمل کرتے ہوئے فیصلے کیے اور نہ ہی انھوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کے دور کی سنّت کو اپنایا! یہاں تک کہ ایک مرتبہ عبدالرحمٰن ابن عوف بعض صحابہ کو اپنے ساتھ لے کر حضرت عثمان کے پاس آئے اور ان پر نفرین کی اور ان آنے والے اصحاب نے کہا: "یہ سب تمھاری وجہ سے ہو رہا ہے اور تم ہی اس (تباہی و بربادی) کا سبب ہو۔" اس پر حضرت عثمان نے ان سے کہا: "خدا کی قسم میں مر جاؤں گا مگر اس سے بات نہیں کروں گا۔ اس نے میرے ساتھ خیانت کی ہے، اور مجھے رسوا کیا ہے۔"

اور بعض مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمان ابن عوف بیمار پڑ گئے تو حضرت عثمان ان کی عیادت کے لیے پہنچے لیکن عبدالرحمان نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور ان سے کوئی بات نہیں کی۔

میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ ان چھ۶ افراد کی جو کمیٹی خلیفہ کا انتخاب کرنے کے لیے بنائی گئی تھی یہ سب کے سب اس کے اہل نہیں تھے۔ بلکہ ان میں کدورت، کج روی اور تعصب پایا جاتا تھا۔ یہ لوگ سنگین حالات و

حوادثِ زمانہ سے فرار اختیار کر لیتے تھے اور صرف اپنی خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل سے دلچسپی رکھتے تھے۔ پھر بھلا یہ خلافت کے صحیح حق دار کا انتخاب کیسے کر سکتے تھے؟ اور جب انھوں نے ایسا کیا تو دنیائے اسلام میں خرابیاں پیدا ہوئیں!

اب ہم اس سلسلے میں شیعہ نقطۂ نظر کا جائزہ لینا چاہیں گے۔ وہ استدلال میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

"وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ" (سورۂ قصص ۲۸ : آیت ۶۸)

یعنی: "تمھارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے نبی یا امام) منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے اور جس چیز کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں اس سے خدا پاک اور کہیں برتر ہے۔"

جس چیز سے خداوند متعال خوش ہے اس سے اگر مسلمان بھی خوش رہتے تو یقیناً چاروں طرف سے وہ رحمتِ پروردگار کے گھیرے میں ہوتے لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا!

قرآن مجید میں ہے:

"وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" (سورۂ اعراف ۷ : آیت ۹۶)

یعنی: "اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں (کے دروازے)

کھول دیتے۔ مگر افسوس ان لوگوں نے (ہمارے پیغمبروں کو) جھٹلایا تو ہم نے بھی ان کے کرتوتوں کی بدولت ان کو (عذاب میں) گرفتار کر دیا۔"

یہی وہ تلخ حقائق ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں جن کی وجہ سے آج ہمیں اس مسئلے (خلافت) پر بحث کی ضرورت پیش آرہی ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رحلت کے بعد سے آج تک خلافت جنھیں بھی ملی وہ یا تو کسی پہلے سے موجود خلیفہ کی طرف سے پہنچی یا تلوار اور قوّت کے زور پر ملی ——!

جیسا کہ معاویہ ابن سفیان کہتا ہے:

"میں نے تم سے اس لیے جنگ نہیں کی کہ تم نماز پڑھتے ہو یا روزہ رکھتے ہو بلکہ میں نے اس لیے جنگ کی تاکہ تمھارا امیر اور حاکم بن جاؤں۔ اور سنو! اب اللہ نے مجھے یہ امارت اور حکومت عطا کر دی ہے ——!"

پھر اس کے بعد معاویہ نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین —— اور خلیفۃ المسلمین مقرر کر دیا۔ حالانکہ وہ بہت زیادہ نشے کا عادی، شرابی اور بندروں سے کھیلنے والا تھا۔ اسے نہ تو قرآن مجید کی کوئی ایک آیت اچھی طرح یاد تھی اور نہ کوئی حدیثِ رسولؐ!

لیکن پھر بھی ایسا شخص خلیفہ بنا دیا گیا اور امیر المومنین کہلایا! یہ وہی تو تھا کہ جس نے رسول اللہؐ کی گود کے پالے نواسے کو کربلا میں قتل کر دیا اور شمیمِ گلشنِ نبوّتؑ کو خاک میں ملا دیا! [۱]

---

[۱] ۲۸۴ھ میں شائع ہونے والی تاریخ طبری جلد ۱۱ کے صفحہ ۳۵۷ پر (باقی اگلے صفحہ پر)

مگر کیا ستم ہے! کہ یزید نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے نواسے حضرت امام حسین علیہ السّلام کو قتل کر دیا لیکن اس کے باوجود بہت سے علمائے اہلِ سنّت یہ تک کہتے ہوئے پائے گئے کہ حسینؑ واجب القتل تھے کیونکہ انھوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۱۲۸۳ھ میں شائع ہونے والی کتاب "تاریخ ابی الفرج" کی جلد ۲ کے صفحہ ۵۷ پر، مصر میں شائع ہونے والی کتاب "صفین" کے صفحہ ۲۴۷ اور سبط ابن جوزی کی کتاب "تذکرۃ الخواص" کے صفحہ ۱۱۵ پر مرقوم ہے:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دیکھا کہ ابوسفیان اونٹ پر سوار ہے، یزید اس کی رسّی کھینچ رہا ہے اور معاویہ اسے ہانکتا جا رہا ہے۔ پس آپؐ نے فرمایا: "شتر سوار، اونٹ کی رسّی کھینچنے والے اور اسے ہانکنے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔"

اسی طرح ابوہریرہ سے مروی ہے کہ میں نے رسولِ خدا کو کہتے سنا: "میری امّت قریش کے غلاموں میں سے ایک غلام کے ہاتھوں تباہ ہوگی۔"

اور اس سلسلے میں ابن حجر نے فتح الباری کی جلد ۱۳ صفحہ ۷ پر موجود حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ بازاروں میں چلتے پھرتے یہ کہا کرتے تھے: "پروردگارا مجھے سن ساٹھ ہجری تک زندہ نہ رکھ اور مجھے اس بچّے کی حاکمیت اور امارت کا دور نہ دکھا!!" ابن حجر کہتے ہیں کہ "اس سے ابوہریرہ نے یزید کی خلافت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن پھر جب اس نے ساٹھ ہجری کا زمانہ پایا تو خاموش ہو کر ایک طرف نہیں بیٹھ گیا بلکہ وہ معاویہ ہی کی گود میں پرورش پانے لگا جس پر رسول اللہؐ کی زبان سے لعنت کی گئی تھی۔"

یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس کے بارے میں امّت سے فرمایا کہ اسے جہاں کہیں بھی پاؤ قتل کر دو خواہ یہ منبر پر بیٹھا (باقی اگلے صفحہ پر)

نے اپنے زمانے کے امام فاسق و فاجر یزید کے مقابلے میں بغاوت کی تھی۔
یہ کہنے اور ایسی سنگین لغزش کا ارتکاب کرنے کے باوجود حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کا اسلام باقی رہتا ہے اور یہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتے ——!!

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خطبہ ہی کیوں نہ دے رہا ہو۔" "تاریخ بغداد" جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۱، کتاب "تہذیب التہذیب" جلد ۲ صفحہ ۴۲۸، جلد ۵ صفحہ ۱۱۰، "تاریخ الطبری" جلد ۱۱ صفحہ ۳۰۷، کتاب "صفین" صفحہ ۲۴۳ اور ۲۴۸، کتاب "شرح النہج الحدیدی" جلد ا صفحہ ۳۴۸، مناوی کی کتاب "کنوز الدقائق" جو کہ "الجامع الصغیر" کے حاشیہ پر ہے' جلد ا صفحہ ۱۸، کتاب "اللآلی المصنوعہ" جو سیوطی نے تالیف کی ہے، اس کی جلد ا صفحہ ۳۲۰، ذہبی کی کتاب "المناقب میزان الاعتدال" مطبوعہ مصر 'الحکم بن ظہیر' کے حالات میں دیکھا جائے۔ نیز عبدالرزاق بن ھمام کے واقعات میں ملاحظہ فرمایئے۔ جلد ۲ صفحہ ۱۲۹ — کتاب "سیر اعلام النبلاء" جو کہ معاویہ کی زندگی کے بارے میں ہے جلد ۳ صفحہ ۹۹۔ خوارزمی کی کتاب "مقتل الحسین" جلد ا صفحہ ۱۸۵ اور کتاب "تاریخ ابی الفرج" کی جلد ۲ جو ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوئی اس کے صفحہ ۷۵ پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کر دینا"
مشہور شاعر عبدالباقی عمری موصلی نے کہا:

یزید علی لعنی عریض جنابہ ۔ فاغدو بہ طول المدی العن اللعنا

(یعنی: میری طرف سے یزید پر لعنت کی بوچھاڑ ہو۔ میں روز و شب اس پر نفرین کرتا ہوں)
کتاب "الاشاعۃ" میں برزنجی نے اور کتاب "الصواعق" (باقی اگلے صفحہ پر)

اس سے بھی بڑھ کر یہ علماء کہتے ہیں کہ :

" اگر فاطمہؑ ابوبکر سے مرتے دم تک ناراض رہیں تو کیا ہوا ــــ ! حضرت عائشہ حضرت علیؑ سے خفا تھیں اور اسی خفگی کے ساتھ دنیا سے چلی گئیں ــــ ! "

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں ہیثمی نے نقل کیا ہے کہ جب امام احمد سے ان کے بیٹے عبداللہ نے یزید پر لعنت کے سلسلے میں سوال کیا تو امام احمد نے جواب میں فرمایا : "اس پر کیوں نہ لعنت کی جائے جس پر قرآن مجید نے لعنت فرمائی ہو۔" عبداللہ نے کہا : " میں نے قرآن پڑھا ہے لیکن اس میں تو مجھے کہیں یزید پر لعنت کا ذکر نہیں ملا ۔" امام احمد نے فرمایا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے : "(منافقو) کیا تم سے کچھ دور ہے کہ اگر تم حاکم بنو تو روئے زمین میں فساد پھیلانے اور اپنے رشتے ناتوں کو توڑنے لگو۔" (سورۂ محمدؐ ۴۷ : آیت ۲۲) امام احمد اپنے فرزند سے فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر فتنہ وفساد برپا کرنے والا اور اپنے رشتے ناتوں کو توڑنے والا یزیدؑ سے بڑھ کر اور کون ہے ؟!! "

اسی طرح یزیدؑ کے کافر ہونے اور کھل کر اس پر لعنت کرنے کے سلسلے میں بلا شک و تردید بہت سے علماء نے کہا ہے ۔ ایسے ہی علماء میں قاضی ابویعلی اور حافظ ابنِ جوزی کا نام آتا ہے ۔ تفتازانی کہتے ہیں : "یزیدؑ صرف لعنت ہی کا سزاوار نہیں ہے بلکہ اس بات پر ایمان رکھنا چاہیئے کہ اس پر اللہ کی لعنت ثابت ہے ۔" اور جلال الدین سیوطی نے بھی صریحاً اس پر لعنت کی ہے ۔

ابن الوردی کی کتاب " الوافی بالوفیات " میں ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی عصمت وطہارت رکھنے والی بیبیاں (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت فاطمہ علیہا السّلام کے غضبناک ہونے کا بیان صحیح بخاری اور مسلم میں ان الفاظ میں ہوا ہے :

" بے شک حضرت فاطمہ (علیہا السّلام) دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئیں کہ وہ حضرت ابو بکر سے سخت ناراض تھیں انھوں نے آخر وقت تک ابو بکر سے کوئی بات کی اور نہ ان کو اپنے جنازے میں شریک ہونے کی اجازت دی۔ حضرت فاطمہ (علیہا السّلام) کو ان کے شوہر حضرت علی (علیہ السّلام) نے رازداری کے ساتھ دفن کر دیا۔ اور فاطمہؑ کو اپنے شوہر علیؑ پر بہت بھروسہ تھا۔ ان کا انتقال اپنے والد (حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی وفات کے چھ ماہ بعد ہوا لیکن انھیں اپنے والد کے پہلو میں دفن نہیں کیا گیا جبکہ آنحضرتؐ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپؑ کے بچّے اور نوکِ نیزہ پر بلند سرؑ یزیدؐ کے قریب آئے تو اس نے اپنے مرجانے والے آباء و اجداد پر ناز کرتے ہوئے دیوار پر بیٹھے ایک کوّے سے مخاطب ہو کر یہ اشعار کہے ؎

لما بدت تلك الحمول واشرقت　　تلك الشموس علی ربی جیرون

نعب الغراب فقلت: قل أو لاتقل　　فلقد قضیت من النبی دیونی

(یعنی! جب اس قافلے کی جھلکیاں دکھائی دیں اور جیرون کی بلندیوں پر وہ سورج چمکا تو کوّا کائیں کرنے لگا۔ میں نے اس کی منحوس آواز سن کر کہا۔ اب تو چیخ یا نہ چیخ میں پیغمبرؐ سے اپنے بدلے لے چکا ہوں) یہ اس کے عقائد کی وہ تصویر ہے جو اس نے خود بنائی ہے۔

کے پہلو میں صحابہ کو دفن کیا گیا۔"

غور فرمائیے کہ حضرت فاطمہؑ، حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بیٹی ہیں۔ وہ آنحضرتؐ ہی کا ایک ٹکڑا ہیں اور جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

" وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ "

(سورۂ انفال ۸ : آیت ۷۵)

یعنی: " صاحبانِ قرابت خدا کی کتاب میں باہم ایک دوسرے کے (بہ نسبت اوروں کے) زیادہ حق دار ہیں۔"

اس آیۂ مبارکہ میں " اَرْحَام " یعنی صاحبانِ قرابت اور رشتہ دار کو دوسروں پر مقدّم قرار دیا گیا ہے۔ فاطمہؑ، رسول اللہؐ کی سب سے قریبی رشتہ دار ہیں لیکن پھر بھی انھیں رات کی تاریکی میں چھپ کر دفن کیا جاتا ہے اور مسلمان ان کی قبر تک سے واقف نہیں رہتے! البتّہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کیا جاتا ہے!

آخر ایسا کیوں ـــــ؟

حضرت عائشہ کو رسول اللہؐ سے میراث کا حق حاصل ہوتا ہے باوجود اس کے کہ حضرت ابوبکر فرماتے ہیں کہ:

" رسولؐ کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے!"

یہ بات حضرت ابوبکر نے اس وقت کہی تھی جب حضرت فاطمہ علیہا السّلام اپنے والد بزرگوار حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی میراث طلب کرنے ان کے پاس آئی تھیں اس پر انھوں نے جواب دیا تھا کہ آپؑ کے والد فرماتے ہیں کہ:

" ہم انبیاءؑ کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے اور جو کچھ

ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔" ؎۱

؎۱ کتاب "ینابیع المودّۃ" صفحہ ۱٦۹ پر اور "صحیح بخاری" میں مسور ابن مخرمہ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "فاطمہؑ میرا ہی ایک ٹکڑا ہے جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔" اور "صحیح مسلم" میں ہے کہ حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: فاطمہؑ میرا ہی ایک ٹکڑا ہے جس نے انھیں اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے انھیں خوش کیا اس نے مجھے خوش کیا۔" نیز اسی مضمون کی بہت سی احادیث ترمذی، مناوی اور ان کے علاوہ دیگر علمائے اہلِ سنّت نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔

حضرت فاطمہؑ بنتِ محمدؐ نے اپنے حقِ میراث کے سلسلے میں اور اسی طرح ائمہ طاہرینؑ نے فاطمہؑ کے حقِ میراث کے اثبات میں قرآن مجید میں موجود حضرت زکریاؑ کی اس دعا کو بطور دلیل پیش فرمایا ہے:

"(حضرت زکریاؑ نے دعا کی) پروردگارا! میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور سر ہے کہ بڑھاپے (کی آگ) سے بھڑک اٹھا (سفید ہو گیا) اور میرے پالنے والے میں تیری بارگاہ میں دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا ہوں اور میں اپنے (مرنے کے) بعد اپنے وارثوں سے سہما جاتا ہوں اور میری بیوی (امّ کلثوم بنتِ عمران) بانجھ ہے پس تو مجھ کو اپنی بارگاہ سے جانشین (فرزند) عطا فرما جو میری اور یعقوبؑ کی نسل کی میراث کا مالک ہو اور اے میرے پروردگار اس کو اپنا پسندیدہ بندہ بنا۔" (سورہ مریم ۱۹ : آیت ۴)

مذکورہ آیت سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے مال و اسباب کا وارث ہوتا ہے اور یہاں پر جس میراث کا تذکرہ (باقی اگلے صفحہ پر)

پس ذرا سوچیئے کہ اگر انبیأؑ کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے تو آخر حضرت عائشہ کیسے وارث ہوئیں ـــــــ ؟! جبکہ انھیں تو نبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے گھر کی محبوب ہستیوں میں داخل کیا جاتا ہے !

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہوا ہے وہ مال ہے علم اور نبوّت نہیں ہے۔

نیز یہ کہ لفظ "ارث" کا اطلاق ایسی چیزوں پر ہوتا ہے جو ورثاء کو منتقل ہونے کے قابل ہوں جیسے مال۔ اور اس لفظ کو مال کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے استعمال کریں تو وہ بطور مجاز ہوگا !! اور کسی بھی لفظ کو حقیقی معنی سے مجاز کی طرف لے جانے کے لیے دلیل اور قرینے کا پایا جانا ضروری ہے۔

لوگ جانتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراؑ اور حضرت ابو بکر کے درمیان کیا کچھ تلخ کلامی ہوئی . . . . . اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت فاطمہؑ مرتے دم تک حضرت ابو بکر سے ناراض رہیں اور پھر کبھی کوئی بات نہیں کی۔ یہ بات "صحاح" لکھنے والوں نے اپنے اپنے سلسلۂ اسناد کے ساتھ حضرت عائشہ سے نقل کی ہے۔ چنانچہ "صحیح بخاری" جلد ۳ صفحہ ۳۷، "صحیح مسلم" جلد ۲ صفحہ ۷۲ پر ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے غزوۂ خیبر کے دوران فرمایا : "لانُوَرِّث . . . ." (یعنی : ہم انبیأؑ کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے بلکہ جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔) ایسی ہی حدیث کتاب "الجہاد والسیر" "مسند احمد" جلد ۱ صفحہ ۶، "صحیح البخاری"، جلد ۵ صفحہ ۱۷۷ مطبوعہ "مطابع الشعب" اور مطبوعہ "دار احیار الکتب العربیۃ"، اور "صحیح البخاری" جو کہ حاشیہ سندی کے ساتھ ہے کی جلد ۳ صفحہ ۵۵، "صحیح مسلم" "باب الجہاد والسیر" جلد ۳ صفحہ ۱۳۸۰ مطبوعہ بیروت، کتاب "مشکل الآثار"، جلد ۱ صفحہ ۴۷، اور اسی سے (باقی اگلے صفحہ پر)

بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"جس نے فاطمہ ع کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔"
تو پھر حضرت فاطمہ ع کو میراث نہ دے کر غضبناک کرنے کو کیا کہا جائے گا ــــــ؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ملتا جلتا مضمون "بخاری" میں موجود کتاب 'فضائل اصحاب النبیؐ' کے باب ۱۲، جلد ۵ صفحہ ۲۵ مطبوعہ 'مطابع الشعب' میں موجود ہے۔ ایسے ہی ایک اور مفہوم کی حدیث 'کتاب الفرائض' کے باب نمبر ۳ جلد ۴ صفحہ ۱۶۴ 'مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیۃ' میں موجود ہے۔ نیز کتاب الخمس' کے باب نمبر ۱ جلد ۲ صفحہ ۱۸۶ مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ' میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ 'مسند احمد' جلد ۱ صفحہ ۶ اور ۹ اور جلد ۲ صفحہ ۳۵۳، "سنن النسائی" کتاب الفیٔ، باب ۱ جلد ۷ صفحہ ۱۲۰، "شرح النہج لابن ابی الحدید" جلد ۱۶ صفحہ ۲۱۷، "صحیح الترمذی" کتاب السیر باب ۴۴ جلد ۴ صفحہ ۱۵۷۔

تاریخ بتاتی ہے کہ فاطمہ زہراؑ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو خطبے دیئے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ فاطمہؑ نے تین خطبے دیئے ہیں۔

جب صدیقۂ طاہرہ فاطمہ زہراؑ ابوبکر کے دربار میں پہنچیں تو وہاں مہاجرین و انصار اور دوسرے بہت سے لوگ جمع تھے۔ پس رسولؐ کی بیٹی نے چادر اوڑھے ہوئے اور ان سب سے خود کو بچاتے ہوئے درد و کرب سے ایسی آہ بھری کہ وہاں موجود افراد بھی رونے لگے۔ کچھ دیر اس دربار میں یہی منظر رہا۔ اور پھر جب ان کی ہچکیاں رکیں اور سکوت طاری ہوا اور جذبات ٹھہرے تو جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے خدائے عزّ وجلّ کی حمد و ثنا سے خطبہ (باقی اگلے صفحہ پر)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن کیے جانے کا اپنا حق سمجھتے ہوئے امام حسن علیہ السلام نے وقتِ آخر اپنے بھائی حسین علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ مجھے اپنے جدّ بزرگوار حضرت محمدؐ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شروع کیا پھر آہستہ آہستہ اس خطبے میں تیزی آتی چلی گئی۔ ملاحظہ فرمائیے ابن ابی طیفور متوفی ۲۸۰ھ کی کتاب "بلاغات النسار" صفحہ ۱۲ تا ۱۹، عمر کحالہ کی کتاب "اعلام النسار" جلد ۳ صفحہ ۱۲۰۸، ابن ابی الحدید کی کتاب "شرح نہج البلاغہ" جلد ۱۶ صفحہ ۲۱۱ تا ۲۱۳، اور مصر میں شائع ہونے والی "شرح نہج البلاغہ" جو کہ ابو الفضل کی تحقیق پر مشتمل ہے کا صفحہ ۲۴۹ تا ۲۵۳۔ شیخ طوسیؒ کی کتاب "تلخیص الشافی" جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۔

حضرت فاطمہ زہراؑ نے قرآن مجید کی محکم آیتوں کو اپنے حقِ میراث کے سلسلے میں بطور دلیل پیش فرمایا۔ ان قرآنی دلیلوں میں نہ تو کوئی شک وشبہ کی گنجائش تھی اور نہ ہی کوئی ان پر اپنی برتری قائم کرتے ہوے رد کر سکتا تھا۔ فاطمہؑ بنتِ رسولؐ نے فرمایا کہ قرآن میں ہے:

"حضرت سلیمانؑ، داؤدؑ کے وارث ہوئے۔" (سورۂ نمل ۲۷: آیت ۱۵)

"(حضرت زکریاؑ نے دعا کی بارالہٰا) مجھ کو اپنی بارگاہ سے ایک جانشین (فرزند) عطا فرما جو میری اور یعقوبؑ کی نسل کی میراث کا مالک ہو اور اس کو اپنا پسندیدہ بندہ بنا۔" (سورہ مریم ۱۹: آیت ۶)

"صاحبانِ قرابت خدا کی کتاب میں باہم ایک دوسرے کے (بہ نسبت اوروں کے) زیادہ حق دار ہیں۔" (سورہ انفال ۸: آیت ۷۵)

"(مسلمانو!) خدا تمھاری اولاد کے حق میں تم سے وصیت (باقی اگلے صفحہ پر)

پہلو میں دفن کرنا۔ البتہ اگر یہ ممکن نہ رہے، تو قیام نہ کرنا اور تلوار مت اُٹھانا۔

چنانچہ امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی حسن علیہ السلام کے جنازے کو اپنے نانا کے مرقد پر لے کر آئے تا کہ اس کے گرد سات مرتبہ چکر لگائیں۔ لیکن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔" (سورۂ نساء ۴: آیت ۱۱)

"(مسلمانو!) تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو بشرطیکہ وہ کچھ مال چھوڑ جائے تو ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھی وصیت کرے۔ جو خدا سے ڈرتے ہیں ان پر یہ ایک حق ہے۔" (سورۂ بقرہ ۲: آیت ۱۸۰)

ان آیات کو بطور دلیل بیان کرنے کے بعد فاطمہ زہرا ؑ نے سوال کیا: "اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں کو تمھارے ساتھ مخصوص فرمایا ہے یا میرے والد سے بھی مختص ہیں؟ اور کیا تم لوگ میرے والد اور میرے ابنِ عم (علی ؑ) کے مقابلے میں قرآن مجید کے عام اور خاص کا زیادہ علم رکھتے ہو؟؟ یا پھر تمھارا یہ خیال ہے کہ دو الگ الگ مذہب رکھنے والے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے؟ تو کیا میں اور میرے باپ ایک دین کے ماننے والے نہیں؟"

پھر آپ ؑ نے مزید فرمایا: "اے ابوبکر! تمھاری بیٹیاں تو تمھاری وارث بنیں لیکن رسول اللہ ؐ کی بیٹی وارث نہ ہو؟!"

اس پر حضرت ابوبکر نے جواب دیا: "ہاں ایسا ہی ہے!"

ملاحظہ کیجیے کتاب "السقیفہ و فدک"، صفحہ ۸۲ کی حدیث جس کے راوی جوہری ہیں۔ "شرح النہج" کی جلد ۴ پر موجود حدیث جیسے سلسلۂ اسناد کے ساتھ ابوسلمہ اور دوسرے راویوں سے نقل کیا ہے۔ جلد ا صفحہ ۱۰۔

یک بیک بی بی عائشہ بالمقابل آگئیں اور اس سلسلے میں رکاوٹ بن گئیں ۔
چنانچہ امام حسینؑ نے اپنے بھائی کے لاشے کو رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن نہیں کیا
کیونکہ حسنؑ نے پہلے ہی اپنے بھائی حسینؑ کو وصیت کر دی تھی کہ اس سلسلے میں
آلاتِ جنگ کو خون آلود نہ ہونے دینا ۔

پھر یہ بھی غور کیجیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي ۔"

یعنی: "فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے ۔"

تو ظاہر ہے کہ اس حدیث کی روشنی میں حضرت عائشہ، حضرت
فاطمہ زہراء علیہا السلام کی طرح پاک و پاکیزہ نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ حضرت
فاطمہؑ اس دنیا اور آخرت دونوں میں تمام عورتوں کی سردار ہیں ۔
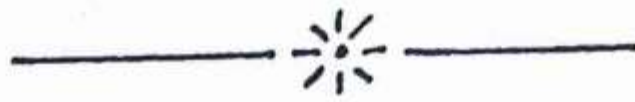
حضورِ اکرمؐ کا حکم اور نمازِ جماعت کی امامت

سوادِ اعظم کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے حکم سے حضرت ابو بکر نے نمازِ جماعت کی امامت فرمائی۔ اور اس عقیدے کی دلیل صحیح بخاری کی دس الجھی ہوئی حدیثیں ہیں۔

ایک حدیث میں ہے حضرت عائشہ نے حضورِ اکرمؐ سے کہا:

"یا رسول اللہؐ! ابو بکر بہت زیادہ گریہ کرنے والے ہیں اور لوگوں کے منظورِ نظر ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا: میں حکم دیتا ہوں کہ ابو بکر لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

ایک اور حدیث حضرت عائشہ سے منقول ہے:

"جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے سنا کہ حضرت ابو بکر لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھا رہے ہیں تو آپؐ گھر سے نکلے، مسلمانوں نے اسے نعمت جانا، بہت خوش ہوئے۔ (مسجد میں تشریف لاکر) آنحضرتؐ نے ابو بکر کو ایک طرف کر دیا اور آپؐ ان کی جگہ تشریف فرما ہو گئے۔ پس حضرت ابو بکر پیچھے ہٹے اور انھوں نے رسول اللہ صلّی اللہ

علیہ وآلہ وسلّم کے پیچھے نماز ادا کی۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ابو بکر کو نمازِ جماعت کی امامت کرنے دی اور خود ان کے پیچھے نماز ادا کی۔! اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابو بکر، رسول اللہؐ کے امام تھے اور آپؐ ماموم ـــــــ!!

اور بعض دوسری احادیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی میں صرف ایک نماز کی امامت فرمائی۔ بعض روایات بتاتی ہیں کہ دو نمازوں کی، بعض میں ہے کہ تین نمازوں کی اور بعض کے مطابق پانچ نمازوں کی۔

بہرحال یہ تمام روایتیں ایک دوسرے سے اس طرح ٹکراتی ہیں جس سے ان کا بطلان ثابت ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ تشیّع اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ حضرت ابو بکر نے حکمِ پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پاکر نمازِ جماعت کی امامت فرمائی ہو۔

اہلِ تشیّع، بخاری کی ان روایتوں کی صداقت پر یقین نہیں رکھتے۔ حقیقت کیا ہے اسے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ اس مسئلے کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہوئے ہم کہیں گے:

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے جس دور میں حضرت ابو بکر کے نمازِ جماعت کی امامت کو ثابت کیا جا رہا ہے اس وقت وہ مدینے میں موجود ہی نہیں تھے! کیونکہ اپنی زندگی کے آخری ایّام میں جب آنحضرتؐ بیمار تھے تو انھوں نے حضرت ابو بکر کو لشکرِ اسامہ بن زید میں شامل ہونے کا حکم دے کر انھیں مدینے سے دور فرما دیا تھا۔ پس جب حضرت ابو بکر مدینے میں

موجود ہی نہیں تھے تو وہ بھلا لوگوں کو نماز کیسے پڑھاتے ؟! کیا آپ لوگ زبردستی یہ فیصلہ اپنی عقلوں پر مسلّط کر سکتے ہیں ؟! وہ تو شہر مدینہ سے آٹھ فرسخ دور تھے اور اس زمانے میں آمد و رفت کی ایسی جدید زمینی اور فضائی سہولتیں بھی موجود نہیں تھیں۔ جہاں لشکرِ اسامہ کا پڑاؤ تھا وہاں سے گھوڑے پر سوار ہو کر شہر تک پہنچنے کے لیے دو گھنٹے چاہیئے تھے !

اور اس وقت حضرت ابو بکر کے سپہ سالار اور قائد اسامہ بن زید تھے۔ حضرت اسامہ کی عمر سترہ سال تھی اور وہ آنحضرتؐ کی طرف سے سپہ سالار معیّن ہونے کی وجہ سے اپنے لشکر میں نمازِ جماعت کی امامت فرماتے تھے اور حضرت ابو بکر ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ اس زمانے میں حضرت اسامہ نے حضرت ابو بکر کو نماز پڑھائی ہے۔ پھر بھلا ہم کیسے پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اسی وقت حضرت ابو بکر نے مسجد نبویؐ میں جا کر لوگوں کو نماز پڑھائی ہو گی !

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ انھیں نمایاں کرنے میں دلچسپی رکھتی تھیں۔ اور خود انھوں نے ایک مرتبہ حضرت ابو بکر کو مسجد بھیج کر کہا : آپ لوگوں کو نماز پڑھائیے ! اور جب رسول اللہؐ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ انتہائی جلال کے عالم میں وہاں پہنچے۔

پیغمبر اکرمؐ بیماری کی حالت میں گھر سے نکلے تھے اور آپؐ نے اضطرار کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ حضورِ اکرمؐ اپنی نیابت میں اضطرار کے طور پر ہی سہی، حضرت ابو بکر کو نماز پڑھانے کا حکم صادر فرماتے !؟

مسلمان تو یہ یقین رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

کبھی اپنی ذاتی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ حکمِ خدا سے کہتے ہیں۔

سورۂ نجم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی۔"

آپؐ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک صرف اللہ سے لَو لگائے رہے۔ اسی کے ہر حکم پر عمل فرمایا یہاں تک کہ اللہ کا یہ محبوب نبیؐ اپنے سب سے بلند و برتر دوست تک پہنچ گیا۔

میں نہیں سمجھتا کہ رسولؐ عام انسانوں کی طرح ہیں بلکہ وہ تو صرف اللہ کے رسولؐ ہیں!

بعض مؤرخین لکھتے ہیں:

"یقیناً حضرت ابوبکر لشکرِ حضرت اسامہ بن زید کے ماتحت تھے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت اسامہ کو حضرت ابوبکر پر امیر معیّن کر دیا گیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ اسامہ کے پیچھے نماز ادا کرنے کے بھی پابند تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم حضرت ابوبکر کو یہ حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں ——— ؟! اور پھر یہ کہ اس وقت حضرت ابوبکر مدینہ میں موجود بھی نہیں تھے۔

ہاں ——— ! کیا آپ جانتے ہیں کہ

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک دفعہ عمرو ابن عاص کو بلا کر انھیں حکم دیا تھا کہ وہ ابوبکر اور عمر ابن خطاب کو نماز پڑھائیں اور یہ غزوۂ ذاتِ سلاسل میں ان کے امیر تھے۔

ان اقدامات کے ذریعے حضورِ اکرمؐ نے ہم پر واضح فرما دیا کہ ہر ایرے غیرے نمازِ جماعت کی امامت نہیں کر سکتا۔

بلکہ " جب نماز کا وقت آجائے تو امام وہ ہو گا جو زیادہ دیندار ہو، نہ کہ وہ جو عمر میں بڑا ہو۔"

ملّتِ مسلمہ کی اِمامت

نمازِ جماعت کی امامت اور ملّتِ مسلمہ کی امامت یکساں نہیں!
بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جہاں اور سینکڑوں مشکلات ہیں ان میں سے مشکل ترین مسئلہ ملّتِ مسلمہ کی امامت اور رہبری کا ہے۔

ملّت کی قیادت کو امامتِ کبریٰ کہا جاتا ہے۔ پھر بھلا کس طرح کسی کی نمازِ جماعت کی امامت ثابت کر کے اس کے لیے قوم و ملّت کی امامت کو ثابت کیا جانا ممکن ہے ـــــ؟!

کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ملّتِ مسلمہ کی امامت کے لیے جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت علی علیہ السّلام کو پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"بارالہا! تو اسے دوست رکھ جو انھیں دوست رکھے اور تو اسے دشمن رکھ جو انھیں دشمن رکھے۔"

کیا ان لوگوں نے یہ نہیں سنا کہ آنحضرتؐ نے اس امامتِ کبریٰ کے لیے علیؑ کو منتخب کرتے ہوئے فرمایا:

"تم میرے بھائی، اور میرے بعد میرے جانشین اور

وصی ہو۔ لہٰذا تم لوگ ان کی بات سنو اور اطاعت کرو۔"

کیا آپ کے اس فرمان پر انھوں نے دھیان نہیں دیا کہ:

"علیؑ مجھ سے ہیں اور مالک و سردار ہونے کے اعتبار سے میرے رتبے پر ہیں۔"

اور اسی طرح انھوں نے آنحضرتؐ کا یہ ارشادِ گرامی نہیں سُنا کہ آپؐ نے فرمایا:

"میرے کارِ رسالت کو آگے بڑھانے والے صرف علیؑ ہیں۔"

اور اسی طرح سینکڑوں احادیث حضرت علیؑ کی شان میں وارد ہوئی ہیں جن سے ملّتِ مسلمہ کی امامت اور قیادت کے مقام اور مرتبے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ——— !

———— ☼ ————
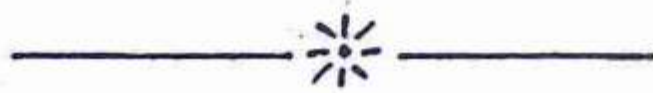
بے بُنیاد فضیلتیں

سوادِ اعظم کے ہاں موجود احادیث میں سے بہت سی احادیث ایسی ہیں جو سراسر مغالطے پر مبنی ہیں اور ان میں بے بنیاد فضیلتوں کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہا گیا ہے کہ جب لشکرِ اسامہ تیار ہوا تو حضرت عمر ابنِ خطاب آئے اور انھوں نے کہا:

"اس کا پورا خرچ میں برداشت کروں گا!"

اور حضرت ابو بکر نے کہا:

"عنقریب میں ایک بڑا لشکر لے کر آگے بڑھوں گا!"

ان احادیث و روایات کو تاریخی اور عقلی اعتبار سے صحیح بھی ہونا چاہیئے لیکن قرائن یہ بتاتے ہیں کہ ایسا نہیں تھا بلکہ یہ تو حضرت ابو بکر کی مصلحت سے مطابقت نہیں رکھتا۔

چنانچہ خود امام بخاری فرماتے ہیں:

"حقائق کا جائزہ لینے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر مال و دولت نہیں رکھتے تھے۔ اس دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما رہے تھے

تو حضرت ابو بکرؓ اپنے جانور پر سوار ہو کر آئے، پھر واپس
جا کر ایک اور سواری لے آئے اور آنحضرتؐ کی خدمت
میں پیش کی اور ابو بکرؓ نے اس کی قیمت بھی ادا کرنی چاہی
مگر حضورؐ نے یہ پیش کش قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔"
(بخاری میں اسی طرح لکھا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ
وسلّم اس سواری کے جانور کی قیمت ادا کیے بغیر سوار نہیں ہوئے۔)

معاذ اللہ! رسولؐ اور کسی کا احسان لیں ـــــــ ؟!

حضرت ابو بکرؓ کے پاس تھا ہی کیا ـــــــ؟ اس کے برعکس حضرت
محمدؐ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ سے بہت سا مال وراثت میں ملا تھا، کیونکہ حضرت
خدیجہؑ قریش کی انتہائی مال دار خاتون تھیں۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ خود آپؐ
نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر مہربانی فرمائی تھی اور انھیں مال و دولت
عطا فرمایا تھا۔ جیسا کہ آیۂ مبارکہ میں ہے کہ بے شک وہ وہی لوگ تھے
جنھیں رسول اللہؐ نے عطا فرمایا تھا۔

عنقریب میں آپ لوگوں سے آنحضرتؐ کا یہ واقعہ بیان کروں گا۔
کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہؐ مکۂ مکرّمہ میں تین سال تک اس آیت
کی روشنی میں یہ اعلان کرتے رہے:

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا
بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ " (سورۂ حجرات ۴۹: آیت ۶)

یعنی: " اے ایمان دارو! اگر کوئی بدکردار آدمی تمھارے پاس
کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی
قوم کو نادانی سے نقصان پہنچاؤ پھر اپنے کیے پر نادم ہو۔"

آنحضرتؐ نے تین سال تک یہ آواز اس لیے بلند فرمائی تاکہ پروپیگنڈے الزام تراشی اور جھوٹ کی جنگ جو انتہائی خطرناک ہوتی ہے وہ ختم ہوجائے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سواری کے جانور کی قیمت کس نے ادا کی۔ آنحضرتؐ نے تو ان لوگوں سے سواری کے اونٹ کی قیمت قبول نہیں فرمائی۔ البتہ روایات میں اتنا ضرور ہے کہ ابوبکر کی اونٹنی پر سوار ہونے سے پہلے اس کی قیمت ادا کردی گئی۔ اور جب وہ مدینے پہنچے تو لوگوں نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ کیا آپ نے آنحضرتؐ کو اونٹنی کی قیمت ادا کی ہے؟ انھوں نے جواب دیا:

"میں نے قیمت ادا نہیں کی۔"

یہ ہے وہ واقعہ جو صرف شیعوں کے ہاں ہی نہیں بلکہ بخاری بھی اس پر گواہ ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی شفقت و مہربانی قبول کرنے والے نہیں تھے کہ لوگ انھیں کچھ دیں بلکہ آپؐ تو خود لوگوں کو عطا فرمایا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں میں سے اگر کوئی بھوکا ہوتا تو آپؐ اسے کھانا کھلاتے۔ کوئی فقیر و تنگ دست ہوتا تو آپؐ اسے بے نیاز فرماتے۔ اور اگر کوئی لباس سے محروم ہوتا تو آپؐ اسے لباس مرحمت فرما دیتے۔ اس کے مقابلے میں ایسی روایات جن میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے رسول اللہؐ کو کچھ عطا کیا ہے، ان کے صحیح ہونے کی کوئی بنیاد نہیں ہے!

میں کہتا ہوں کہ بے شک حضرت عثمان مال دار تھے لیکن حضرت ابوبکر کے پاس مال و دولت نہیں تھی۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ ابوبکر نے کما کما کر بہت سا مال عطا کیا ہے

یہ سب محض حقائق کو چھپانے کی کوشش ہے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں

معاویہ کی سیاست میں ایک انداز یہ بھی تھا کہ اس نے پہلے دور میں بہت سی جعلی احادیث وضع کروائیں۔ کیونکہ بنی امیہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان کو بہت چاہتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے لوگوں سے حقائق چھپائے اور اسی سلسلے میں معاویہ نے تمام شہروں میں یہ ہدایات جاری کرتے ہوئے لکھا:

"تم کوئی ایک حدیث بھی ابوتراب کی شان میں پاؤ تو اس سے بڑھ کر میری شان میں حدیث لائے بغیر نہ رہنا ـــــ!!"

چنانچہ بہت ساری احادیث جو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے بارے میں پائی جاتی ہیں وہ زیادہ تر بنی امیہ نے وضع کروائی ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے باخبر ہونے کے بعد آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ان احادیث کے صحیح ہونے کی کوئی بنیاد نہیں پائی جاتی۔ میں نے اپنی کتاب "ثُمَّ اهْتَدَيْتُ" میں اس موضوع پر بحث کی ہے اور بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں۔

مثال کے طور پر یہ کہ حضرت عمر سے بہت سی چیزیں سنی گئیں یہاں تک کہ انھیں صحابہ میں سب سے بڑا عالم کہا گیا۔ اور پھر ان کا شمار مجتہدین میں کیا جانے لگا۔

مگر سچ تو یہ ہے کہ جب ہم تاریخی حقائق پر نظر ڈالتے ہیں یہ سب کچھ حق وصداقت سے بعید اور جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اس دنیا سے اٹھ گئے لیکن قرآنِ مجید کے

حقیقی احکام کا ادراک نہ کرسکے ۔ اگر ہم ان کے درک کردہ دس قرآنی فیصلوں کا جائزہ لیں تو وہ ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں ! اور وہ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ :

" یہ میرے نزدیک بہتر ہے ۔"

" کاش میں " کلالۃ " کا حکم رسول اللہؐ سے پوچھ لیتا۔"

یہاں تک کہ وہ قرآن مجید میں موجود لفظ " آبّا " کے معنی سے ناآشنا تھے ـــــــ !

(" آبّا " کے معنی سوکھی گھاس کے ہیں اور ہر اس چیز کے ہیں جسے اونٹ چرتا ہو۔ نیز بھوسے کو بھی آبّا کہا گیا ہے۔" تفسیر الجلالین ")

(" آبّا " ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جسے چوپائے چرتے ہوں۔ " تفسیر المبین ")

اسی طرح حضرت عمر ابن خطاب بھی کہتے ہیں :

" یقیناً قرآن کا بعض کلام عربی میں نہیں ہے ۔ چنانچہ کبھی تو میں اسے سمجھ لیتا ہوں اور کبھی سمجھ نہیں پاتا ۔"

اور انھیں کی شجاعت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا : ـــــــ " خداوندا ! اسلام کو دو عمروں میں سے ایک کے ذریعے عزت عطا فرما ۔" اس کے بعد آپؐ نے فرمایا : " ان میں سے ایک عمر ابنِ خطاب ہیں ۔"

یہاں تک کہ حضرت عمر ہی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مسلمان حضرت عمر کے اسلام قبول کرنے سے پہلے تک علانیہ طور پر اسلام کی دعوت نہیں دے سکتے تھے ۔ لیکن تاریخی حقائق اس سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتے ! !

اسلامی تاریخ میں حضرت عمر کی رزم آرائی کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ یہ ذکر بھی نہیں ملتا کہ انھوں نے کسی عام آدمی سے مقابلہ کر کے اسے قتل کر دیا ہو۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے۔

وہ ہر معرکے میں راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً حنین اور خیبر کے علاوہ بھی متعدد مرتبہ انھوں نے جنگ سے راہِ فرار اختیار کی۔ ان کے بارے میں جس شجاعت کی بات کی جاتی ہے کیا وہ یہی ہے ـــــ؟!

اس کے علاوہ ہم یہ بھی سنتے ہیں کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ متقی، پرہیزگار اور خوفِ خدا رکھنے والے تھے۔ [۱]

---

[۱] مگر صحیح حدیث میں حضرت عمر ابن خطاب کی زبانی بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث شیخین کے قائم کردہ معیار کے مطابق ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیے: "المستدرک"، جلد ۳ صفحہ ۱۲۵، "الصواعق"، فصل ۳ باب ۹۔ اور اسی معنی و مفہوم کی حدیث احمد بن حنبل نے عبداللہ ابن عمر سے اپنے سلسلۂ اسناد کے ساتھ نقل کی ہے۔ انہی کی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۲۶۔ اس حدیث کو ہر ایک نے اپنے سلسلۂ اسناد کے ساتھ عمر اور ان کے بیٹے عبداللہ کے ذریعے روایت کیا ہے۔ متن حدیث یہ ہے:

"یقیناً علی ابن ابی طالبؑ کو تین ایسی فضیلتیں عطا کی گئی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھے مل جاتی تو میں اسے سرخ فام اونٹوں سے زیادہ پسند کرتا۔ وہ تین فضیلتیں یہ ہیں: اوّل فاطمہؑ بنت رسولؐ کا ان کی شریک زندگی ہونا۔ دوسرے مسجد میں رسول اللہؐ کے ساتھ رہنا اور ان کے لیے (باقی اگلے صفحہ پر)

اب کہاں تو حضرت عمر کے بارے میں تقویٰ و پرہیزگاری کے دعوے اور کہاں یہ تاریخی حقائق! کہ وہ اتنے سخت دل اور تند مزاج کہ ان کے ڈر سے عورتوں کے حمل تک ساقط ہو جاتے تھے۔ اور اسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس میں وہ سب کچھ حلال و مباح ہونا جو کچھ رسولؐ کے لیے حلال و مباح کیا گیا تھا۔ اور تیسرے غزوۂ خیبر کے موقع پر انھیں پرچم کا عطا کیا جانا۔

ملاحظہ کیجیے: "المستدرک" جلد ۳ صفحہ ۱۲۵، "مسند احمد بن حنبل" جلد ۷ صفحہ ۲۱ صحیح سلسلۂ اسناد کے ساتھ حدیث نمبر ۴۷۹۷ مطبوعہ دار التعارف، مصر۔ قندوزی کی کتاب "ینابیع المودۃ" صفحہ ۲۱۰ مطبوعہ اسلامبول، خوارزمی کی "المناقب" ۲۳۸ مطبوعہ 'الحیدریہ' ابن عساکر شافعی کی کتاب "تاریخ دمشق" جلد ۱ صفحہ ۲۲۰ حدیث نمبر ۲۸۳۔ ابن حجر کی کتاب "الصواعق المحرقہ" صفحہ ۷۶ مطبوعہ المیمنیۃ اور مطبوعہ المحمدیہ کا صفحہ ۱۲۵۔ "مجمع الزوائد" جلد ۹ صفحہ ۱۲۰۔ سیوطی کی کتاب "تاریخ الخلفاء" صفحہ ۱۷۲۔ زرندی حنفی کی کتاب "نظم درر السمطین" صفحہ ۱۲۹۔ "کنز العمال" جلد ۱۵ صفحہ ۱۰۱ حدیث نمبر ۲۹۱ طبع ثانی۔ "الریاض النضرۃ" جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ طبع ثانی۔ "فضائل الخمسہ" صفحہ ۱۵۰ اور "فرائد السمطین" جلد ۱ صفحہ ۳۴۵ حدیث شمارہ ۲۶۸۔

اسی طرح خاص طور پر حضرت عمر علمی اور فقہی مسائل میں حضرت علی علیہ السلام سے رجوع کرتے رہے اور ان سے مسئلوں کا حل دریافت کرتے رہے۔

اور حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان نے بھی حضرت علی علیہ السلام سے بہت کچھ پوچھا ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیے: "الاصابۃ" جلد ۳ صفحہ ۳۹۔ "ذخائر العقبیٰ" صفحہ ۸۱ اور ۸۲۔ سبط ابن جوزی حنفی کی کتاب "تذکرۃ الخواص" صفحہ ۱۴۴ تا ۱۴۸۔ کنجی شافعی کی کتاب "کفایت الطالب" (باقی اگلے صفحہ پر)

طرح تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ انھوں نے ہی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر کو جلانے کی دھمکی دی تھی! اور اس سلسلے میں کسی قسم کی پارسائی کا مظاہرہ نہیں کیا......!

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ الغری اور مطبوعہ الحیدریہ کا صفحہ ۲۳۴۔ محب الدین طبری شافعی کی کتاب "الریاض النضرۃ"، جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ اور صفحہ ۲۶۱۔ ابن صباغ مالکی کی کتاب "الفصول المہمۃ"، صفحہ ۱۷۔ خوارزمی حنفی کی کتاب "المناقب"، صفحہ ۳۸، ۳۹، ۵۰، ۵۱، ۵۳ اور ۵۴۔ شرف الدین کی کتاب "النص والاجتہاد"، صفحہ ۲۷۱ تا ۲۷۵۔ "فرائد السمطین" جلد ۱ صفحہ ۲۳۷، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۵۱ اور ۳۵۴۔ اور ان کے علاوہ دیگر کتب۔

حضرت ابوبکر نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرف رجوع کیا ملاحظہ فرمائیے: "ذخائر العقبیٰ"، صفحہ ۹۷ مطبوعہ المقدسی۔

حضرت عثمان نے حضرت علی علیہ السلام سے رائے لی۔ ملاحظہ ہو: تفسیر ابنِ کثیر جلد ۹ صفحہ ۱۸۵ اور ۱۵۱۔ مطبوعہ بولاق۔

اس کے علاوہ دسیوں کتب ہیں۔ اور اگر آپ مزید تفصیلات کے خواہاں ہیں تو ملاحظہ فرمائیے: قاضی شوستری کی کتاب "احقاق الحق" جلد ۸ صفحہ ۱۸۲ تا ۲۴۲ مطبوعہ تہران۔ علامہ امینی کی کتاب "الغدیر" جلد ۶، ۷ اور ۸ مطبوعہ بیروت اور مطبوعہ ایران، ان دونوں طباعتوں میں دسیوں ایسے مواقع کا ذکر ہے جب حضرت عثمان نے حضرت علیؑ سے رائے لی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جو کچھ سلسلۂ اسنادِ حسن کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں حدیثوں میں آیا ہے وہ کسی بھی صحابہ کے بارے میں نہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

ایسے صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی عقیدت تھی اور وہ آپؐ کے احکام کے آگے کس حد تک سرِ تسلیم خم کرنے والے تھے۔ یہ معاملہ کچھ اور تھا۔

میں ان کے بارے میں نصِ حدیث کی روشنی میں زیادہ تحقیق و مطالعہ کو پیش کرنے سے گریز کروں گا۔ بس آنحضرتؐ سے ان کی عقیدت ومحبت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس بات پر قاضی، اسمٰعیل نسائی، ابوعلی نیشاپوری اور ان کے علاوہ بہت سے علماء گواہ ہیں۔

اسی طرح حدیث کی رو سے حضرت علیؑ تو بابِ مدینۃ العلم ہیں۔ اس حدیث کو حدیثِ صحیح قرار دیا گیا ہے۔ مغربی کی کتاب "فتح الملک العلی" کا صفحہ ۲۰ ملاحظہ کیجیے۔ مطبوعہ الحیدریہ اور مطبوعہ مصر کا صفحہ ۲۔ ابنِ حجر کی کتاب "الصواعق المحرقہ" صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ المحمدیہ اور مطبوعہ المیمنیہ مصر کا صفحہ ۷۲۔ اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار صفحہ ۱۴۹ مطبوعہ السعیدیہ اور مطبوعہ العثمانیہ مصر کا صفحہ ۱۳۵۔ اور طبری شافعی کی کتاب "الریاض النضرۃ" جلد ۲ کا صفحہ ۲۸۲۔

ایک مرتبہ عرب کے دو دیہاتی آپس میں جھگڑا کرتے ہوئے حضرت عمر کے پاس آئے۔ انھوں نے ان دونوں کا فیصلہ کرنے کے لیے حضرت علیؑ سے التماس کی۔ پس جب حضرت علیؑ نے فیصلہ فرما دیا تو ان دونوں میں سے ایک دیہاتی نے کہا: اچھا! ہمارا فیصلہ یہ کریں گے!؟ (اسے علیؑ کا فیصلہ پسند نہیں تھا) یہ سُن کر جناب عمر ابن خطاب اچھل پڑے اور اس کا گریبان پکڑ کر کہا: "ہائے افسوس! تم یہ نہیں جانتے کہ یہ فیصلہ کرنے والے کون ہیں؟ یہ تمھارے مولا و آقا ہیں اور تمام مومنین کے آقا و مولا ہیں اور جس کے یہ مولا نہ ہوں وہ مومن نہیں ہوسکتا۔" (باقی اگلے صفحہ پر)

کا اندازہ اسی سے ہوجاتا ہے کہ جب آپؐ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں فرمانِ الٰہی کے اجرار و نفاذ کے بندوبست کی غرض سے کچھ طلب فرمایا تو مخالفت کی ٹھان لی گئی۔ یہاں تک کہ آپؐ غضبناک ہوئے اور ایسے تمام اصحاب کو اپنے گھر سے نکل جانے کا حکم دیا جو حکم عدولی کر رہے تھے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات کے بعد کیا کچھ ہوا؟! آپؐ کی بیٹی فاطمہ علیہا السّلام کو کس نے اذیّت پہنچائی ــــــ؟ اور کس نے سرکارِ دوعالمؐ کی دختر کو غضبناک کیا؟! حالانکہ رسولِ خداؐ فرما چکے تھے:

"فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي مَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِي"

(صحیح بخاری جلد ۲۔ صفحہ ۲۳)

یعنی: "فاطمہؑ میرا ہی ٹکڑا ہے جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔"

حضرت فاطمہ علیہا السّلام نے ابوبکر سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے میرے بابا کی یہ حدیث نہیں سُنی:

"رِضَى فَاطِمَةَ مِنْ رِضَائِيْ وَغَضَبُ فَاطِمَةَ مِنْ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ملاحظہ کیجیے "الصواعق المحرقہ" باب حادی عشر کی پہلی فصل کا آخر، تالیف ابن حجر شافعی، مطبوعہ المیمنیۃ صفحہ ۱۰۷، اور مطبوعہ المحمدیہ مصر کا صفحہ ۱۷۷۔ محب الدین طبری شافعی کی تالیف "ذخائر العقبیٰ" صفحہ ۶۸۔ خوارزمی حنفی کی کتاب "المناقب" صفحہ ۹۸۔ طبری شافعی کی کتاب "الریاض النضرۃ" جلد صفحہ ۲۲۴۔ طبع ثانی "الغدیر" کی جلد ا صفحہ ۳۸۲۔ شیخ احمد ابن کثیر مکّی کی کتاب "وسیلۃ المآل" سے یہی کچھ نقل کیا گیا ہے۔

غَضَبِیْ ، وَمَنْ اَحَبَّ فَاطِمَۃَ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ
اَسْخَطَ فَاطِمَۃَ فَقَدْ اَسْخَطَنِیْ وَمَنْ اَرْضَاھَا
فَقَدْ اَرْضَانِیْ۔"

یعنی : " فاطمہؑ کی رضا وخوشی میری رضا وخوشی ہے اور فاطمہؑ کی
ناراضگی میری ناراضگی ہے۔جس نے فاطمہؑ کو دوست رکھا
اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے فاطمہؑ کو ناراض کیا
اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے فاطمہؑ کو راضی رکھا اس
نے مجھے راضی رکھا۔"

حضرت ابوبکر نے کہا : کیوں نہیں، ہم نے یہ حدیث رسولؐ سنی ہے۔
چنانچہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے اس پر فرمایا :

" اِنِّیْ اُشْھِدُ الْمَلٰٓئِکَۃَ اَنَّکُمَا اَسْخَطْتُمَانِیْ
وَمَا اَرْضَیْتُمَانِیْ وَ اِنْ لَقِیْتُ نَبِیَّکُمْ لَاَشْکُوَنَّکُمْ
اِلَیْہِ۔" (ابن قتیبہ کی کتاب "الامامۃ والسیاسۃ" اور کتاب
"الفرق التاریخیۃ")

یعنی : " میں ملائکہ کو گواہ قرار دے کر کہتی ہوں کہ یقیناً تم دونوں
نے مجھے ناراض کیا اور میں تم دونوں سے راضی نہیں
ہوں اور جب میں تمھارے نبیؐ سے ملوں گی تو ضرور
تم سب کی شکایت کروں گی۔"

تاریخی حقائق

ایک جانب ایسی احادیث ہیں جنھیں لکھتے ہوئے ہمیں حیرت

ہوتی ہے اور دوسری جانب ایسی احادیث ہیں جنھیں لکھتے وقت کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ مختصر یہ کہ احادیث سے قطع نظر جب ہم تاریخی حقائق کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ جان کر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ بہترین خلقت پر خلق کیا جانے والا آدمی جسے بعض دانشور اسی لیے انسان کہتے ہیں کہ وہ بہترین اخلاق سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ پارسائی اور پرہیزگاری کی اونچی منزلوں تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن افسوس کہ جب ہم تاریخ کے صفحات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اسی آدمی میں بے شمار عیوب نظر آتے ہیں ـــــ!

بہرحال زبانی باتیں، تاریخی حقیقت کے برابر نہیں ہوسکتیں ـــ! کیونکہ لفظوں کے سوداگر تو نہ جانے کن کن باتوں کا بیوپار کر لیتے ہیں! چنانچہ قرآن مجید کی واضح آیت میں ارشاد ہے:

اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ " (سورۂ حجرات ۴۹: آیت ۶)

یعنی: " اگر کوئی بدکردار آدمی تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو کہ) تم کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچادو پھر اپنے کیے پر نادم ہو۔"

حقیقت یہ ہے کہ زہریلے پروپیگنڈے، جھوٹ اور الزام تراشی کی جنگ، دوسری جنگوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے اور فتنہ و فساد برپا کرنا قتل سے زیادہ سنگین ہے۔ ابوہریرہ سے نقل کی ہوئی بہت سی من گھڑت باتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر کے لوگوں نے انھیں احادیث کا نام دے دیا۔ حالانکہ ان کے متعلق ایک صحابی فرماتے ہیں کہ جو کوئی بھی اسے مال و دولت دے دیتا وہ اس کے حق میں بہت سی حدیثیں بنا دیا کرتا تھا۔

مثال کے طور پر اس نے یہ حدیث بھی گھڑی کہ :"جس شخص نے بھی "عکّہ" کی پیاز کھالی وہ ایسا ہے جیسے اس نے مکّۃ معظّمہ کی زیارت کی ہو۔"
لکھا ہے کہ یہ سب من گھڑت اور جھوٹی باتیں ہیں۔ ؎

؎ سچ تو یہ ہے کہ ابوہریرہ انتہائی جھوٹے تھے اور کسی بھی طرح قابلِ اعتماد نہیں قرار پاتے! ان سے منقول عجیب وغریب اور بے بنیاد احادیث کی کثیر تعداد سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ وہ کتنے دروغ باف تھے! نیز اہلِ سنّت کے ہاں موجود احادیث سے بھی ان کا جھوٹا ہونا ظاہر ہے۔ صحابہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر ابنِ خطاب نے اس سلسلے میں ابوہریرہ کو کوڑے بھی لگائے تھے اور فرمایا تھا:
"رسول اللہؐ کی طرف جھوٹ منسوب نہ کیا کرو۔"
حمیدی روایت کرتے ہیں جو کہ صحیحین میں موجود ہے اور اسے ابوہریرہ سے نقل ہونے والی متفق علیہ حدیث قرار دیتے ہوئے حدیث شمارہ ۱۶۶ کے ذیل میں لکھا ہے: میرے والد کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ابوہریرہ نکلے۔ بس! چلتے چلتے انھوں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا: "جو کچھ میں نے رسول اللہؐ پر جھوٹ باندھ رکھا ہے اسے تم لوگ حدیثِ (رسولؐ) کہہ کر بیان کرتے ہو!"
اسی طرح حمیدی ہی نے صحیحین میں موجود عبداللہ ابن عمر سے نقل کی جانے والی متفق علیہ حدیث شمارہ ۱۲۴ میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے حکم دیا: سوائے شکاری یا بھیڑ بکریوں اور مویشیوں کی نگرانی کرنے والے کتّے کے باقی کتّوں کو مار ڈالو۔ اس پر ابن عمر سے پوچھا گیا کہ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ کھیتی باڑی کی حفاظت کرنے والے کتّوں کو بھی نہیں مارنا چاہیئے! اس پر ابن عمر نے کہا: "کیونکہ ابوہریرہ کے پاس کھیتی باڑی کی زمین ہے!!" (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اسی طرح ابوہریرہ سے منقول متفق علیہ حدیث ۱۶۰ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو شخص جنازے کے ساتھ (قبرستان) جائے تو اسے ایک قیراط (کیرٹ) اجر ملے گا۔ ابنِ عمر نے کہا کہ ابوہریرہ کچھ زیادہ ہی کہہ جاتے ہیں۔"

اور یاقوت حموی شافعی نے بحرین اور وہاں رہنے والوں کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے ابوہریرہ کے ایک معاملے میں حضرت عمر ابنِ خطاب سے اتفاق کرتے ہوئے انھیں اللہ اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر نے ان پر خیانت کا حکم صادر کر کے دس ہزار دینار کی ادائیگی لازم قرار دی تھی۔ یہ الزامات ان پر بحرین کی گورنری حاصل کرنے کے بعد لگائے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کبھی ان کی کسی حدیث پر عمل نہیں کیا۔ ملاحظہ فرمائیں ابومعالی جوینی کی کتاب "الروضہ" اور امام شافعی کے رسالہ میں جو شافعی مذہب کی حقانیت کے اثبات میں ہے یہی موقف اختیار کیا گیا ہے!

نیز زندوسی حنفی نے کتاب "الروضہ" کے باب نمبر ۱۰۳ میں یہی بات لکھی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہے کہ ابوہریرہ نے حضرت علی علیہ السلام کو چھوڑ دیا تھا۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ خاندان بنی ہاشم سے قطع تعلق کر رکھا تھا بلکہ وہ ان کے دشمن بھی تھے اور معاویہ سے جا ملے تھے۔ یہ ایک ایسی تاریخی صداقت ہے جو کسی حدیث اور روایت کی محتاج نہیں۔ اس کے علاوہ جلیل القدر علماء کا ابوہریرہ کی نقل کردہ روایتوں کو چھوڑ دینے کا طرزِ عمل بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ کسی بھی اعتبار سے قابلِ اعتبار نہیں تھے !!! ابوہریرہ کے متعلق مزید تفصیلات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے محمود ابوریہ مصری اور علامہ سید شرف الدین کی کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(لٰہذا ہمیں چاہیئے کہ تاریخی حقائق کو ملحوظ رکھیں اور اس پر غور و فکر کریں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں سے ناراض رہیں یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے اُٹھ گئیں۔) (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ملاحظہ فرمائیے : "صحیح بخاری" کتاب مغازی باب غزوہ خیبر، جلد ۵ صفحہ ۸۲ مطبوعہ 'دارالفکر' استنبول، مطبوعہ 'مطابع الشعب، جلد ۵ صفحہ ۱۷۷ مطبوعہ 'احیار الکتب، جلد ۳ صفحہ ۵۵، مطبوعہ 'المعاھد' جلد ۳ صفحہ ۳۸۔ مطبوعہ شرقیہ جلد ۵ صفحہ ۳۹۔ مطبوعہ 'المیمنیۃ' جلد ۵ صفحہ ۱۱۵۔ مطبوعہ بمبئی ہندوستان کی جلد ۵ صفحہ ۲۰۔ اور مطبوعہ 'الخیریۃ' مصر کی جلد ۳ صفحہ ۴۰۔

اسی طرح "صحیح بخاری"، "کتاب الجہاد والسیر" کا باب فرض الخمس جلد ۴ صفحہ ۴۲۰، آفسٹ پرنٹ مطبوعہ 'دارالفکر' استنبول، "صحیح بخاری" "کتاب الفرائض باب "انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔" جلد ۸ صفحہ ۳، آفسٹ پرنٹ مطبوعہ دارالفکر استنبول۔ اور مطبوعہ 'محمد علی صبیح، کتاب الجہاد والسیر، باب 'ہم انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے'، جلد ۵ صفحہ ۱۵۲۔ اور کنجی شافعی نے بھی اپنی کتاب 'کفایت الطالب' کے صفحہ ۳۷ پر سات حوالوں سے یہی لکھا ہے۔

کیا علیؑ نے بیعت کی ؟

آیئے ! اب ہم اس عنوان سے ذرا غور و خوض کریں کہ کیا حضرت علی علیہ السلام نے حضرت ابو بکر کے منصبِ امامت پر آنے کے بعد ان سے بیعت کی یا نہیں ــــــ ؟

جی ہاں ! علیؑ نے ہرگز بیعت نہیں کی ــــ !

علیؑ کے علاوہ سعد ابنِ عبادہ نے بھی کبھی بیعت نہیں کی۔

اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ علیؑ نے بعد میں بیعت کر لی تھی۔ چنانچہ بخاری کا قول بھی یہی ہے کہ علیؑ نے بیعت کر لی تھی۔

سچ پوچھیئے تو میں علیؑ کا شیعہ ہونے کے ناتے بخاری کے قول کو نہیں مان سکتا ــــــ مگر کیوں ــــــ ؟

آخر علی ابنِ ابی طالبؑ، ابو بکر کی بیعت کیوں نہیں کر سکتے ؟

اِس لئے کہ علیؑ کی بیعت کو ماننے والا اور یہ کہنے والا کہ انھوں نے خلافت کے غصب ہو جانے کے چھ ماہ بعد حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی تھی، درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبے سے ناواقف قرار پائے گا ! البتہ ممکن ہے کہ یا تو جبر و تشدد کر کے زبردستی بیعت لے

لی گئی ہو لیکن اس کی صداقت پر یقین نہیں کیا جا سکتا یا پھر ممکن ہے کہ ملتِ مسلمہ کو کشت و خون سے بچانے کی خاطر حقِ خلافت غصب ہو جانے کے باوجود کراہیت اور ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کر لی گئی ہو۔ بہر حال اسے صحیح معنوں میں بیعت تو نہیں کہا جا سکتا ہے۔ [1]

ہاں! حضرت علی علیہ السلام خاموش رہے۔ البتہ دوسروں پر اپنے تاثرات ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: "میں نے جنگ نہیں کی۔"

---

[1] یہی وجہ ہے کہ "بخاری" اور "مسلم" کی متعدد احادیث و روایات سے ثابت ہے کہ علیؑ نے بیعت سے منع فرما دیا اور آپؑ نے کوئی مصالحت نہیں کی۔ یہاں تک فاطمہ زہراؑ اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے باپؐ کے پاس پہنچ گئیں۔ پھر جب چھ ماہ کے عرصے میں اسلام پر گہرے زخم لگائے گئے اور اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعی مصلحت کے باعث ایسی اضطراری صورت حال پیدا ہوئی تو آپؑ کے بیعت کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ یہی مضمون "صحیح البخاری" کتاب مغازی باب غزوۂ خیبر، جلد ۵ صفحہ ۸۲ مطبوعہ 'دارالفکر' میں ہے۔ اور "صحیح بخاری" دوسری سات طباعتوں میں بھی یہی لکھا ہے۔ اسی طرح "صحیح مسلم" کتاب الجہاد والسیر جلد ۵ صفحہ ۱۵۲ مطبوعہ محمد علی صبیح میں اور اس کی تین مزید طباعتوں میں بھی یہی تحریر ہے۔ نیز ملاحظہ فرمائیں: ابن قتیبہ کی کتاب "الامامۃ والسیاسۃ" جلد ۱ صفحہ ۱۱ تا ۱۳ مطبوعہ مصر۔ مسعودی کی کتاب "مروج الذہب" جلد ۲ صفحہ ۳۰۲۔ "تاریخ الطبری" جلد ۳ صفحہ ۲۰۸۔ ابن الاثیر کی کتاب "الکامل فی التاریخ" جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ اور ۳۳۱۔ گنجی شافعی کی کتاب "کفایۃ الطالب"، صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ الحیدریہ اور مطبوعہ "الغری" کا صفحہ ۲۲۶۔ اور کتاب "العقد الفرید" جلد ۵ کا صفحہ ۲۵۹۔

نیز خطبۂ شقشقیہ میں حضرتؑ فرماتے ہیں :

" خدا کی قسم! فرزندِ ابو قحافہ نے پیراہنِ خلافت پہن لیا حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکّی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے۔ میں وہ (کوہِ بلند ہوں) جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلو تہی کرلی۔ سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس سے بھیانک تیرگی پر صبر کرلوں جس کے باعث سِن رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔ نیز مومن اس میں جدّوجہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مجھے اس اندھیرے پر صبر ہی قرینِ عقل نظر آیا۔ لہٰذا میں نے صبر کیا۔ حالانکہ آنکھوں میں (غبارِ اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج کے) پھندے لگے ہوئے تھے۔ میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابنِ خطاب کو دے گیا (پھر حضرتؑ نے بطورِ تمثیل اعشیٰ کا یہ شعر پڑھا) کہاں یہ دن جو ناقہ کے پالان پر کٹتا ہے اور کہاں وہ دن جو حیان برادرِ جابر کی صحبت میں گزرتا تھا۔" تعجب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا

لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دُوسرے کے لیے استوار کرتا گیا۔ بے شک ان دونوں نے بے باکی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا۔ اس نے خلافت کو ایک سخت اور مشکل صورتِ حال سے دوچار کر دیا جس کے چرکے کاری تھے۔ جس کو چُھو کر بھی کھُردرا پن محسوس ہوتا تھا جہاں بات بات میں ٹھوکر کھانا اور پھر عذر کرنا پڑتا تھا۔ جس کا اس سے سابقہ پڑے وہ ایسا ہے جیسے سرکش اُونٹنی کا سوار کہ اگر مہار کھینچتا ہے تو (اس کی منہ زوری سے) اس کے نتھنے پھٹ جانے کا اندیشہ، جس کے بعد مہار دینا ہی ناممکن ہو جائے اور اگر باگ کو ڈھیلا چھوڑتا ہے تو اس کے ساتھ ہلاکت میں پڑ جانے کا خطرہ! اسی وجہ سے بخدا لوگ کجروی، سرکشی، تلون مزاجی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے۔ میں نے اس طویل مدت اور شدید مصیبت پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ دُوسرا بھی اپنی راہ لگا اور خلافت کو ایک جماعت میں محدود کر گیا اور مجھے بھی اس جماعت کا ایک فرد خیال کیا۔ اے اللہ مجھے اس شوریٰ سے کیا لگاؤ؟ ان میں کے سب سے پہلے کے ہی مقابلہ میں میرے استحقاق و فضیلت میں کب شک تھا جو اَب ان لوگوں میں بھی شامل کر لیا گیا ہوں۔ مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب وہ زمین کے نزدیک پرواز کرنے لگیں تو میں بھی ایسا ہی کرنے لگوں اور جب

وہ اونچے ہو کر اڑنے لگیں تو میں بھی اسی طرح پرواز کروں
(یعنی حتی الامکان کسی نہ کسی صورت سے نباہ کرتا رہوں)
ان میں سے ایک شخص تو کینہ وعناد کی وجہ سے مجھ سے منحرف
ہو گیا اور دوسرا اپنے دامادی کے رشتے سے (یہ اشارہ
عبدالرحمٰن بن عوف کی جانب ہے) اور بعض ناگفتہ بہ
باتوں کی وجہ سے ادھر جھک گئے۔ یہاں تک کہ اس قوم
کا تیسرا شخص بڑی اکڑفوں کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔
اس کے ساتھ اس کے بھائی بند بھی جمع ہو گئے! جو اللہ
کے مال کو اس طرح نگل رہے تھے جس طرح اُونٹ موسم
بہار کی گھاس چرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب
اس کی بٹی ہوئی رسّی کے بل کھُل گئے اور اس کی بداعمالیوں
نے اس کا کام تمام کر دیا اور شکم پُری نے اسے مُنہ کے
بل گرا دیا۔ اس وقت مجھے لوگوں کے ہجوم نے دہشت زدہ
کر دیا تھا جو میری جانب بجّو کے ایال کی طرح ہر طرف
سے لگاتار بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ عالم یہ ہوا کہ حسنؑ
اور حسینؑ کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے
پھٹ گئے تھے۔ وہ سب میرے گرد بکریوں کے گلّے کی
طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ مگر اس کے باوجود جب
میں امر خلافت کو لے کر اُٹھا تو ایک گروہ نے بیعت
توڑ ڈالی اور دوسرا دین سے نکل گیا اور تیسرے گروہ
نے فسق اختیار کر لیا۔ گویا انھوں نے اللہ کا یہ ارشاد

سُنا ہی نہ تھا کہ :" یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے قرار دیا ہے جو دنیا میں نہ (بے جا) بلندی چاہتے ہیں نہ فساد پھیلاتے ہیں۔ اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے۔" ہاں ہاں خدا کی قسم! ان لوگوں نے ان کو سنا تھا اور یاد بھی کیا تھا۔ لیکن ان کی نگاہوں میں دنیا کا جمال کھپ گیا اور اس کی سج دھج نے انھیں اپنا اسیر بنالیا! دیکھو اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں۔ اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پُری اور مظلوم کی گرسنگی سے سکون و قرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اوّل کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے زیادہ ناقابل اعتنا پاتے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ جب حضرتؑ خطبہ پڑھتے ہوئے اس مقام تک پہنچے تو ایک عراقی باشندہ آگے بڑھا اور ایک نوشتہ حضرتؑ کے سامنے پیش کیا۔ آپؑ اسے دیکھنے لگے۔ جب فارغ ہوئے تو ابنِ عباس نے کہا یا امیرالمومنینؑ! آپؑ نے جہاں سے خطبہ چھوڑا تھا وہیں سے اس کا

سلسلہ آگے بڑھائیں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ اے ابن عباس یہ توشقشقہ (گوشت کا وہ نرم لوتھڑا جو اونٹ کے منہ سے ہیجان کے وقت نکلتا ہے) تھا جو ابھر کر دب گیا۔ ابنِ عباس کہتے ہیں کہ مجھے کسی کلام کے متعلق اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا اس کلام کے متعلق اس بنا پر ہوا کہ حضرتؑ وہاں تک نہیں پہنچ سکے جہاں تک وہ پہنچنا چاہتے تھے۔"

(ملاحظہ فرمایئے نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۳)

حضرت علیؑ کے اس خطبے سے واضح ہو جاتا ہے کہ خلافت کا منصب حاصل کرنے کے معاملے میں جنون کی حد تک جذبات سے کام لیا گیا تھا! تو کیا اس کے بعد بھی آپ یہ سوال کریں گے کہ علیؑ نے بیعت کی تھی یا نہیں؟! یا یہ سوال کریں گے کہ انھوں نے بعد میں بیعت کی تھی یا نہیں ؟!

ذرا غور کیا جائے تو ان سوالات کا جواب ہمیں درپیش مشکل کا حل نہیں ہے۔ اور ان کا جواب دینے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اتنا تو بہر حال ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام، حضرت ابو بکر کی خلافت سے راضی نہیں تھے ! اور ان کے لیے کوئی رائے نہیں دی۔

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنا دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی زبانی گواہی ہے۔ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم فرماتے ہیں:

"تمام اعمال کا دار و مدار نیّت پر ہے۔"

ہر شخص اپنی نیّت سے وابستہ ہوتا ہے۔ نیّت نہیں تو عمل نہیں اور عمل نہیں تو سچّائی نہیں !

سورۂ فرقان کی آیت ۲۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

" وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا "

یعنی : " اور ان لوگوں نے (اس دنیا میں) جو کچھ نیک کام (بغیر اللہ و رسولؐ کی تصدیق اور ایمان کے) کیے ہیں ان کی طرف توجّہ دیں گے تو ہم اس کو غبار کی طرح اُڑا دیں گے۔"

اور سورۂ حجرات کی دوسری آیت میں ارشاد ہوا :

" یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ "

یعنی : " اے صاحبانِ ایمان تم اپنی آوازیں پیغمبرؐ کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو۔ اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، اس طرح ان کے سامنے نہ بولا کرو، ورنہ تمھارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے، اور تمھیں خبر بھی نہ ہو گی۔"

ذرا غور فرمایئے کہ نبی کریمؐ سے صرف اپنی آواز اونچی کرنے کی صورت میں یوں خبردار کیا جا رہا ہے کہ نہیں مانو گے اور آواز اونچی رکھو گے تو ہر عمل سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

اب اگر خدا نہ کرے اسرائیل آ کر ہم پر قابض ہونا چاہے تو کیا ہم سب مسلمان بھائی مل کر مکتبِ توحید کی حفاظت نہیں کریں گے ؟

خدا نہ کرے کہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی شان میں گستاخی کروں ! میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ ان دونوں ہستیوں کے لیے کوئی نازیبا بات کہوں۔ البتہ بخاری اور مسلم نیز اہلِ بیتِ اطہارؑ فرماتے ہیں :

حضرت عمر ابنِ خطاب نے قرآنِ کریم کی ایک مشکل آیت کے سلسلے میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے اختلاف رائے ظاہر کیا!
پھر سب لوگ مل کر آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور یوں گویا ہوئے:
"کیا تمھاری رائے کے مطابق تم نبیؐ ہو اور ہم مسلمان نہیں ہیں ؟!"
یہ بات کہنے والوں میں حضرت عمر بھی شامل تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:
"کیوں نہیں! اے عمر۔"
عمر نے پوچھا:
"کیا تم اللہ کے برحق رسولؐ نہیں ہو ؟!"
رسول اللہؐ نے فرمایا:
"کیوں نہیں! اے عمر!"
حضرت عمر نے کہا:
"تو تم نے دلیل کیوں پیش کی ؟!"
حضورِ اکرمؐ نے فرمایا:
"دیکھو! میں اللہ کی طرف سے مامور بندہ ہوں اور جو کچھ بھی مجھے میرے پروردگار نے حکم دیا ہے اسے نافذ کرتا ہوں ......"
حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت عمر سے اس بحث میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچے! پھر اس کے بعد حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا:

"کیا وہ اللہ کے رسولؐ نہیں ؟"

حضرت ابو بکر نے کہا:

"کیوں نہیں !"

حضرت عمر نے کہا:

"کیا ہم مسلمان نہیں ہیں اور وہ سب مسلمان نہیں ہیں؟ تو پھر ہم (ان کے مقابلے میں) ذلیل کیوں دیں ؟"

یہ سُن کر ابو بکر نے کہا:

"اے ابن خطاب! وہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور اللہ کی طرف سے مامور بندے ہیں۔"

ہم تو صرف آپ کے سامنے چند ناروا باتوں کا تذکرہ کر رہے ہیں! اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کس شخص نے رسولِ خداؐ پر کس طرح اعتراض کیا! حالانکہ رسول اللہؐ کا مقام تو وہ ہے کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بتلا دیا کہ جو شخص بھی ان کے سامنے اپنی آواز بلند کرے گا اس کے اعمال حبط (رائیگاں) ہو جائیں گے۔

لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو بکر نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حضور اپنی آواز بلند کی اور یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

"بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِىِّ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ"

(سورہ حجرات ۴۹ : آیت ۲)

یعنی: "اے صاحبانِ ایمان تم اپنی آوازیں پیغمبرؐ کی آواز سے

اُونچی نہ کیا کرو۔ اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے
سے زور زور سے بولا کرتے ہو ان کے روبرو نہ بولنا
(ایسا نہ ہو) کہ تمھارا کیا کرایا سب رائیگاں جائے اور
تمھیں خبر بھی نہ ہو۔"
تفسیر در منثور سیوطی۔ جلد ۶ صفحہ ۸۳۔ طبع مصر۔

بنی امیّہ کی تحریفات

" لَوْ اَصَابَنَا اللّٰہُ بِمُصِیْبَۃٍ لَمْ یَنْجُ
مِنْھَا اِلَّا ابْنَ الْخَطَّاب ۔"

یعنی : " اگر اللہ کی جانب سے ہم پر کوئی مصیبت پڑے
تو اس سے سوائے عمر ابنِ خطاب کے کوئی اور نہیں
بچا سکتا ! "

یہ اور اسی طرح کی اور بہت سی احادیث بنو امیّہ نے اپنی طرف سے بنائیں جن کے ذریعے حضرت عمر کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے برابر ظاہر کیا گیا ہے !

اطمینان کے لیے اس واقعے پر غور کیجیے :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم شام سے مکّے کی طرف آنے والے ہیں! آپؐ کے پاس راستے کی خبر گیری کرنے والے متعدد افراد اور بہت سے جنگی اسیر بھی تھے۔ چند صحابہ اور ابو سفیان بھی تجارت کے سلسلے میں وہاں موجود تھے۔ اور ان کی خواہش تھی کہ آنحضرتؐ کے قافلے سے اسیروں کو خرید لیں۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی :

" مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى۔ حَتّٰى يُثْخِنَ
فِى الْاَرْضِ ؕ۔" (سورۂ انفال ۸ : آیت ۶۷)

یعنی ؛ " کوئی نبی جب تک روئے زمین پر دشمنوں کو اچھی طرح
کچل نہ دے اس وقت تک اسے یہ زیب نہیں دیتا کہ اس
کے پاس جنگی قیدی ہوں ۔"

اس کے بعد آنحضرتؐ نے ان چند اصحاب اور ابوسفیان
سے فرمایا :۔

" میرا پروردگار اس بات سے راضی نہیں (کہ میں
اسیروں کو فروخت کروں)۔

چنانچہ اس واقعہ سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ ہر انسان سے
غلطی ہو سکتی ہے خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو!

یہ واقعہ چونکہ غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے لہٰذا اسے بھی دلیل کے
طور پر پیش کیا جاتا ہے ۔

مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ نبیؐ سے کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی ۔
اور نبی کریمؐ نے سوائے جنگ کے اور کسی موقع پر کوئی اسیر و قیدی نہیں
بنایا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر دشمن کے ستر سپاہی اسیر ہوئے اور مسلمانوں
نے اس دن ستر مشرکوں کو قتل کیا۔ قتل کیے جانے والوں میں ابوجہل، عتبہ
اور شیبہ بھی شامل تھے۔ (ملاحظہ کیجیے "سلسلۃ معارک الاسلام جلد ۱
صفحہ ۳۲ مطبوعہ المجتبیٰ۔ بیروت)

اس جنگ میں قتل کیے جانے والوں کی نصف تعداد ایسی تھی
جو حضرت علی علیہ السّلام کے ہاتھوں برے انجام تک پہنچی! اسیر کیے جانے

والوں میں آنحضرتؐ کے چچا بھی شامل تھے۔

ہاں! غزوۂ بدر میں بڑی تعداد میں مخالفوں کا اسیر ہو جانا حیران کن تھا۔ قریش کو یہ توقع نہیں تھی کہ اسی سال ان کے ستّر آدمی اسیر ہو جائیں گے۔ اور وہ بھی گھوڑے سوار! اور یہ کہ اس دن آنحضرتؐ نے فرمایا: "انھوں نے میرے چچا عباس کو اسیر کر لیا حالانکہ وہ مشرک نہیں ہیں۔" یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ رسول اللہؐ کے چچا قریش کے ساتھ خروج کریں اور پھر یہ خبر آپؐ کو اپنے چچا زاد بھائی کے ذریعے ملی! اور آپؐ نے ان سب کو حقیقتِ حال سے آگاہ فرمایا۔ اس لیے کہ جب آپؐ کے چچا ابولہب کی موت حالتِ شرک میں واقع ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی کہ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ (یعنی: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں) تو آپؐ خوش ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حدیثِ قدسی میں فرماتا ہے:

"میں نے آتشِ جہنّم ان لوگوں کے لیے خلق کی ہے جو میری نافرمانی کریں خواہ وہ قریشی سیّد ہی کیوں نہ ہوں (اس سے مراد ابولہب تھا) اور میں نے جنّت ان لوگوں کے لیے خلق کی ہے جو میری اطاعت کریں خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہوں (اس سے مراد بلال حبشی تھے)۔"

اور جہاں تک آیت: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى کا تعلق قافلے کے اسیروں سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ جنگ کے علاوہ تم کسی کو اسیر مت بناؤ۔

اس موقع پر بنو امیّہ یہ حدیث گھڑ کر لکھتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اس وقت رسول خداؐ روتے ہوئے کہنے لگے: "جب بھی اللہ کی جانب سے ہم

پر کوئی مصیبت پڑی تو اس سے سوائے عمر ابن خطاب کے کسی اور نے نجات نہیں دلوائی۔"

اسی طرح بنو امیہ سے مروی روایتوں میں ہے کہ (نعوذ باللہ) رسول خداؐ نے بغیر وضو کے نماز پڑھی! آپؐ خود عورتوں کے پاس آئے جب کہ وہ عورتیں آپؐ کے پاس نہیں آئی تھیں اور پھر ان سے ایسے کام کیے جنھیں وہ خود نہیں سمجھ رہے تھے! اور آپؐ نے نماز پڑھی لیکن آپؐ کو یہ یاد نہیں رہا کہ کتنی پڑھی ہیں!!

بنو امیہ کے ہاں موجود ایسی احادیث سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھوں نے ایسے دین کی پیروی کی جو دینِ محمدؐ سے ہٹ کر تھا۔

ابوالعباس سفّاح کا مشغلہ لوگوں کا خون بہانا تھا۔ یہاں تک کہ مورخین اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اسے اس وقت تک نیند نہیں آتی تھی جب تک اپنے لیے بنائے گئے مخصوص گاؤ تکیوں پر تلواریں نہ مار لے۔ یہی وجہ تھی کہ اسے سفّاح (بہت خون بہانے والا) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ بنو عبّاس نے خون بہا کر حکمرانی کی۔ انھوں نے اہلِ بیتؑ کی حمایت کا نعرہ لگا کر لوگوں میں جوش پیدا کیا اور اس طرح بنو امیہ کو قتل کیا۔ اور جب اپنی حکومت مضبوط کر لی تو انھوں نے اہلِ بیتؑ پر ایسے بڑے بڑے ظلم و ستم ڈھائے جن کی نظیر اموی دورِ حکومت میں بھی نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ فرزدق کو کہنا پڑا ؎

" وَاللّٰهِ مَا نَالَ مِنهُم بَنُو حَرَبٍ اِلَّا دُوْنَ نَيلِكُم
تَااللّٰهِ مَا فَعَلَتْ امِيَّة مِثلَهَا معشار ما فعلت بنو العباس"

یعنی: "خدا کی قسم بنی حرب (بنو امیہ) سے اہل بیتؑ کو جو گزند پہنچا

وہ تمھاری سمجھ سے باہر ہے اور خدا کی قسم جو ظلم بنی عبّاس نے اہلِ بیتؑ کے ساتھ کیا ہے اس کا دسواں حصّہ بھی بنی امیہ نے نہیں کیا تھا!"

کیا ہم یہ تاریخ میں نہیں پڑھتے کہ عبداللہ ابن عمر کا اپنا ایک طریقِ فکر و عمل تھا۔ سفیان کا اپنا مسلک تھا۔ اور عبداللہ ابن مسعود کا اپنا مذہب تھا لیکن اس کے باوجود انھیں گمراہ نہیں کہا گیا؟!

چنانچہ اسی طرح عباسی حکومت کے بھی اپنے نظریات تھے جو کہ انھوں نے علم و ہدایت کے بغیر بنا رکھے تھے۔ یہ عباسی حکمراں اپنے طور پر اجتہاد کیا کرتے تھے۔

اسی لیے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عبداللہ ابنِ عباس کی رائے اور اجتہاد کے مطابق متعہ حلال تھا۔ جبکہ عبداللہ ابنِ زبیر اسے حرام قرار دیتے تھے۔ اور اسی طرح بہت سے اختلافات پائے جاتے تھے۔

عقلمند کے لیے تو بس اشارہ ہی کافی ہوتا ہے! پس ذرا سوچیے کہ ان کے درمیان صرف متعہ کے ذریعے تزویج کے مسئلہ پر ہی اختلاف نہیں تھا بلکہ وہاں تو ایسے سینکڑوں اختلافی مسائل موجود تھے!

مورخین لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں متعدّد مذاہب تھے۔ چنانچہ جب سفّاح تختِ حکومت پر آیا اور اس سے سفیان ثوری، ابو عینیہ، اور مالکؒ نے سوالات کیے اور سفّاح کے جواب دینے پر اس سے پوچھا کہ یہ آپ کہاں سے کہہ رہے ہیں؟ تو اس نے سفیان سے کہا:

"میں اس سوال کا جواب دینے سے معذرت چاہتا ہوں ——!"

ابوعینیہ نے تو صاف طور پر اس کے منہ پر کہہ دیا کہ تم سفّاح (بہت خون بہانے والے) ہو۔ لیکن مالک نے کہا:

"آپ لوگوں میں سب سے زیادہ انصاف کرنے والے ہیں۔"

چنانچہ اس کے جواب میں سفّاح نے کہا:

"آپ لوگوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے (قاضی) ہیں۔"

یہی وجہ تھی کہ مدینہ منوّرہ میں امام مالک کا مذہب دیگر تمام مذاہب کے مقابلے میں مشہور ہوگیا اور وہ صاحب عزّت و قوّت بن گئے!

انہی لوگوں میں سے ایک شخص کا کہنا ہے کہ جب میں نے مدینہ کا سفر کیا اور ایک مرتبہ جب میں والیٔ مدینہ کے دربار میں بیٹھا ہوا ہوا تھا تو اس نے میرے سامنے امام مالک کا تقابل کرتے ہوئے کہا:

"خدا کی قسم میرے نزدیک مکّہ سے مدینہ پیدل آنا زیادہ آسان ہے بہ نسبت مالک کے دروازے پر کھڑے ہونے کے۔ کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ ایسے مقامات پر جا کر کھڑے ہونے سے زیادہ ذلّت اور کسی کام میں ہے ــــ!!"

یہ اور ایسے ہی دوسرے بہت سے واقعات اگر آپ تک قابلِ اعتماد لوگوں سے پہنچیں تو یقیناً آپ پر واضح ہو جائے گا کہ جو کچھ بھی حنبلی اور شافعی کے پاس آیا ہے وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے ذریعے ہی آیا ہے کسی اور کے ذریعے نہیں! [۱] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک اہلِ سُنّت عالم کی رائے

" یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ "

(سورۂ انفطار ۸۲ : آیت ۱۹)

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) لے اہلِ سنّت کے مختلف مذاہب کے درمیان پائے جانے والے اختلافات، خود اہلِ سنّت اور اہلِ تشیّع کے درمیان موجود اختلافات سے کم نہیں ہیں۔ اس امر پر دونوں ہی مکاتب فکر میں موجود ہزاروں ایسی کتابیں گواہ ہیں جو فروعِ دین اور اصولِ دین کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ اعتراض کرنے والے اور بُرا بھلا کہنے والے صرف اہلِ تشیّع کو اہلِ سنّت سے اختلافات رکھنے کی وجہ سے بُرا بھلا کہتے ہیں ؟! آخر یہ لوگ اہلِ سنّت کو اہلِ تشیّع سے اختلافات رکھنے کی وجہ سے بُرا بھلا کیوں نہیں کہتے ہیں ؟!! اور یہ کہ جب اہلِ سنّت کا آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف پایا جاتا ہے تو اس پر وہ ایک دوسرے کو بُرا بھلا کیوں نہیں کہتے ؟! پس اگر اسلام میں چار مکاتبِ فکر کا پایا جانا جائز ہے تو پانچویں مکتب کا جواز کیوں نہیں ؟! چار مکاتب کا پایا جانا اجماعِ مسلمین کے موافق سمجھا جائے لیکن جب پانچواں مکتب شامل ہو تو یہ اجماع نہ رہ پائے؟! آخر ایسا کیوں ——— ؟!

کیا آپ کی رائے میں اہلِ بیتؑ کی پیروی کرنے سے مسلمانوں کو متحد کرنے والی اللہ کی مضبوط رسّی ٹوٹ جائے گی اور مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا ؟؟!! (ملاحظہ فرمائیے شرف الدین کی کتاب " المراجعات " صفحہ ۱ اور ۲، شیخ محمد انطاکی کی کتاب " لماذا اخترت مذہب اہل بیت " (باقی اگلے صفحہ پر)

یعنی : " اس دن کوئی شخص کسی شخص کی بھلائی نہ کر سکے گا اور اس دن حکم صرف خدا ہی کا ہو گا ۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) طبع اوّل ۔" الامام الصادق والمذاہب الاربعۃ" جلد ۵ صفحہ ۱۷۳ اور ۱۷۴ ۔ اور" المراجعات" خط نمبر ۱۹ میں شیخ سلیم البشری نے شیعہ طریقے کا اعتراف کیا ہے ۔)

بلکہ شیخ سلیم البشری جس زمانے میں مصر کی" الازھر" یونیورسٹی کے شیخ تھے اس وقت یہ فرمایا : حقیقت تو یہ ہے کہ پیروی کے سلسلے میں آپ کے بارہ اماموں کی پیروی دیگر چار فقہ کے ائمہ سے بہتر ہے اور اس کے علاوہ یہ دوسروں سے اولیٰ بھی ہیں کیونکہ یہ بارہ کے بارہ ائمہؑ ایک ہی مذہب رکھتے ہیں ۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ نے ان بارہ ائمہؑ کی یکسانیت اور ان کے ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والے اجتماع کی اہمیت کا اقرار کیا ہے ۔ کیونکہ باقی چار ائمہ میں یہ بات نہیں !!! (ملاحظہ ہو" المراجعۃ" نمبر ۱۹ صفحہ ۲۹۸)

اسی طرح شیخ" جامعہ الازہر" کے محمود شلتوت نے اپنے مشہور و معروف فتوے میں اہل بیتؑ کے مذہب اور نقطۂ نظر کو تعبّدی طور پر مان لینے کو جائز قرار دیا ہے ۔

اب چاہیئے تو یہ تھا کہ مسلمان مذہب اہل بیتؑ کو اپنا لیتے ۔ یا کم از کم ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ۔ لیکن ایسا نہیں کیا بلکہ مذہب اہل بیتؑ کو بُرا بھلا کہا کبھی انھیں شک وشبہ میں ڈالنے والا اور گمراہ کرنے والا مذہب کہہ دیا، کبھی بناوٹی کہا اور کبھی تو کفر تک کی طرف نسبت دے دی اور بعض اوقات لڑنے جھگڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے !! ایسے ہی لوگوں میں ابن حجر، (باقی اگلے صفحہ پر)

اس آیۂ مبارکہ کی روشنی میں ایک اہلِ سنّت عالمِ دین نے کیا خوب رائے دی ہے اور کہا ہے کہ :

" میں حق کی معرفت چاہتا ہوں۔ پس اگر کوئی مجھ سے گمراہ کرنے والی باتیں کرے تو میں انھیں دیوار پر دے ماروں گا۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابن تیمیہ، محب الدین خطیب اور شیخ موسیٰ جار اللہ کا نام آتا ہے۔ ان لوگوں نے مذہب اہلِ بیتؑ پر زبردستی ظلم وستم کیا اور بہتان تراشی سے کام لیا۔!

چنانچہ موسیٰ جار اللہ اپنی رائے کے مطابق کہتے ہیں : مذاہب ائمہ اربعہ میں امامؑ (یعنی امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ) سے اس قسم کے بعض روایات اور نصوص ملتے ہیں جن پر ملّت کو نہ تو کان دھرنا چاہیئے اور نہ عمل پیرا ہونا چاہیئے ان پر اور ان جیسی مشرک جماعتوں پر اللہ کی لعنت !

موسیٰ جار اللہ اور ان کے حامیوں کے پاس اپنی رائے ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ وہ ہمارے ائمہؑ کے سلسلے میں اپنی بات ہرگز ثابت نہیں کر سکتے اور بالفرض اگر ثابت بھی کرسکتے ہیں تو صرف اتنا ہی جتنا اہلِ سنّت کی دلیلوں سے اہلِ سنّت کے لیے ثابت ہوا ہے۔ خود فقۂ اہلِ سنّت کے چاروں اماموں کے دور میں رہنے والے ہم عصر اہلِ سنّت بزرگ یہ جانتے ہیں۔ اور اسی طرح ان چاروں اماموں کے پیروکار بھی اس امر سے خوب واقف ہیں۔

چنانچہ خطیبؔ نے " ابو حنیفہ کے حالات" میں۔ جلد ۱۳ میں "تاریخ بغداد" کے حوالے سے اس موضوع پر بہت سی احادیث لکھی ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

تم لوگوں کو حق کی کسوٹی پر پرکھو اور حق کو لوگوں کی شخصیت پر مت رکھو۔

اے میرے اسلامی بھائیو! فلاں شخص کا فلاں شخص سے موازنہ کرتے ہوئے کوئی معیار قائم مت کرو۔ بلکہ ہمارے پاس قرآن کریم ہے ۔ قرآن ہر معیار سے زیادہ صحیح اور بڑا معیار ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور بہت سی وجوہات اور علّتیں بھی بیان کی ہیں۔ لیکن بہت سے لوگوں نے ان علّتوں اور دلیلوں کو نہیں مانا ہے۔

ایسی دلیلوں کو قبول نہ کرنے کا ثبوت وہ بات ہے جو سفیان ثوری کی طرف سے منسوب ہے۔ وہ کہتا ہے: میں نے حماد ابنِ ابی سلیمان کو کہتے سنا: "مشرک ابوحنیفہ سے کہہ دو کہ میں اس کے مذہب سے اس وقت تک بیزار ہوں جب تک وہ توبہ نہ کرلے۔"

اسی طرح حماد ہی ناقل ہے کہ اس نے ابوحنیفہ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہا: "تمھارے لیے نہ خیر مقدم! اور نہ خوش آمدید!" پھر انھوں نے اپنے اصحاب سے کہا: "اگر ابوحنیفہ تمھیں سلام کریں تو تم اس کا جواب نہ دینا۔ اور اگر تمھارے ساتھ بیٹھیں تو انھیں بیٹھنے کی مناسب جگہ مت دینا۔" پس جب ابوحنیفہ آئے تو حماد اپنے ہاتھوں میں کنکریاں اٹھا کر ان کے چہرے پر مارنے لگے!!

ابوعباس احمد ابنِ علی ابنِ مسلم الابار اپنے سلسلۂ اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ابوحنیفہ کو رد کرنے والے حضرات یہ ہیں: ایوب سجستانی، جریر ابنِ حازم ہمام ابنِ یحییٰ، حماد ابنِ سلمہ، حماد ابنِ زید، ابوعوانہ، (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عبدالوارث، سوار العنبری، یزید ابن زریع، علی ابن عاصم، مالک ابن انس، جعفر ابنِ محمد، عمر ابنِ قیس، ابوعبدالرحمٰن المقری، سعید ابنِ عبدالعزیز، اوزاعی، عبداللہ ابنِ مبارک، ابواسحاق فزاری، یوسف ابنِ اسباط، محمد ابنِ جابر، سفیان ثوری، سفیان ابنِ عیینہ، حماد ابنِ ابوسلیمان، ابنِ ابولیلیٰ، حفص ابنِ غیاث، ابوبکر ابن عیاش، شریک ابن عبداللہ، وکیع ابن جراح، رقیہ ابنِ مصقلہ، فضل ابنِ موسیٰ، عیسیٰ ابنِ یونس، حجاج ابنِ ارطاۃ، مالک ابنِ مقول، قاسم ابنِ حبیب اور ابن شبرمہ۔ غور کیجیے یہ پینتیس[۳۵] دانشور اور فقہی امام ہیں جنھوں نے ابوحنیفہ کو مسترد کر دینے پر اتفاق کیا ہے۔

اسی طرح خطیب نے بھی وکیع کے سلسلۂ سند کے حوالے سے کہا ہے کہ:
ایک مرتبہ سفیان ثوری، شریک، حسن بن صالح اور ابولیلیٰ جمع ہوئے۔ انھوں نے ابوحنیفہ کو اپنے پاس بلوا بھیجا۔ اور جب وہ آگئے تو انھوں نے ان سے پوچھا: تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے اپنے باپ کو قتل کر کے اپنی ماں سے نکاح کر لیا ہو، اور اس نے اپنے باپ کے سر میں شراب پی ہو؟! اس نے جواب دیا: "وہ مومن ہے!" اس پر ابن ابولیلیٰ نے ان سے کہا: "میں کبھی تمھاری گواہی قبول نہیں کروں گا۔" سفیان ثوری نے کہا: "میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔" شریک نے کہا: "اگر میں حکومت میں ہوتا اور یہ معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں تمھاری گردن کاٹ دیتا۔" اور حسن ابن صالح نے کہا: "آئندہ سے تمھاری شکل دیکھنا میرے لیے حرام ہے!!"

خطیب نے امام مالک ابن انس کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:
"اسلام میں کوئی بھی پیدا ہونے والا، اہلِ اسلام کے لیے ابوحنیفہ سے زیادہ ضرر رساں نہیں!" آگے چل کر خطیب انھی کے حوالے سے (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لکھتے ہیں کہ مالک نے کہا: "اس امت کے لیے ابوحنیفہ کا فتنہ، ابلیس کے فتنے سے زیادہ مضر ہے! نیز اسے دجّال قرار دیا گیا ہے۔ اور اسے شراب بیچنے والے سے زیادہ بُرا کہا گیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابوحنیفہ سے کوئی بات نقل کرنا شراب بیچنے سے زیادہ خطرناک ہے اور اسے سورۂ توبہ کی بتیسویں آیت: یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ (یعنی: وہ لوگ جو اپنی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں) والوں میں سے قرار دیا ہے۔

سلیمان ابن حلبی کہتے ہیں کہ میں نے اوزاعی سے اتنا زیادہ سنا ہے جو بیان سے باہر ہے اور ان ہی میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ابوحنیفہ نے جان بوجھ کر اسلام کو برہنہ کر دیا اور اس نے اسلام کو نوچ نوچ کر پارہ پارہ کر دیا! اور جب سفیان ثوری نے ابوحنیفہ کے مرنے کی خبر سُنی تو کہا: الحمد للہ! خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس کی موت سے راحت نصیب ہوئی! اس طرح سے ابوحنیفہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں میں پیدا ہونے والا کوئی بچہ اسلام کے لیے اس سے زیادہ نقصان رساں نہیں ہوا! ...... (ملاحظہ کیجیے "تاریخ الخطیب" کی تیرہویں جلد صفحہ ۳۹۴ تا ۴۲۳۔ باب ما قالہ العلماء فی ذمّ رأی ابوحنیفہ، والتحذیر منہ)

شریک، سلیمان ابن یلیح مدنی، قیس ابن ربیع، سفیان ثوری، مؤمل ابن اسماعیل، سفیان ابن عیینہ، یحییٰ ابن حمزہ، سعید ابن عبدالعزیز، یزید ابن زریع، عبداللہ ابن ادریس، اسد ابن موسیٰ، اور احمد ابن حنبل نے متعدد سلسلۂ اسناد اور مختلف طریقوں کے ذریعے کہا ہے کہ بلاشبہ ابوحنیفہ کو کفر اور دہریت چھوڑ کر توبہ کی طرف دو یا تین مرتبہ رغبت دلائی گئی۔ اور وہ دین کی ذلّت اور رسوائی کا بنیادی سبب بنا رہا۔ یہاں تک (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ وہ مرجئہ اور جہمیہ فرقوں سے تعلق رکھنے والوں کی موت مرا۔ !

("تاریخ الخطیب" جلد ۱۳ صفحہ ۳۸۱، ۳۷۲، ۳۷۳ پر ان میں سے بعض کے الفاظ بعینہٖ موجود ہیں)

خطیبؔ نے ابو صالح فرار سے نقل کیا ہے کہ میں نے یوسف ابن اسباط کو کہتے سُنا: ابو حنیفہؔ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو چار سَو یا اس سے زیادہ حدیث میں رد کیا ہے! اور خود اس کا کہنا ہے کہ اگر اللہ کے نبیؐ مجھے پاتے اور میں انھیں پالیتا تو وہ میرے بہت سے نظریات کو قبول فرمالیتے ——! اور کیا دین اچھی رائے کے علاوہ کوئی اور شئے ہے ——؟!

پھر اور لوگوں نے بھی ابوحنیفہ کے بارے میں ایسی ہی باتیں کہی ہیں —، علی ابنِ صالح بغوی سے نقل ہے کہ ابوعبداللہ محمد ابنِ زید واسطی نے مجھے احمد ابن معدل کے یہ شعر سُنائے ؎

ان كنت كاذبا بما حدثتني فعليك إثم ابي حنيفة او زفر
المائلين إلى القياس تعمّدًا والراغبين عن التمسك بالخبر

اور صورتِ حال یہ تھی کہ ابوحنیفہؔ، نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی احادیث کو اپنی رائے سے رد کرتے تھے اور مخالفت کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے خطیبؔ نے تاریخ کے موضوع پر لکھی اپنی کتاب میں ابوحنیفہ کے ایسے بہت سے قبیح جملے خود انھی کی زبانی نقل کیے ہیں۔ جو شخص اس کی حقیقت جاننا چاہتا ہے وہ خطیبؔ کی تالیف کردہ کتاب "تاریخِ بغداد" صفحہ ۳۸۶ تا ۳۹۴ کی طرف رجوع کرے۔ نیز اس سلسلے میں خطیب نے اپنی کتاب "ترجمۃ ابی حنیفہ" جلد ۱۳ صفحہ ۳۲۳ تا ۴۲۳ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مطالعہ بھی دلچسپ ہوگا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جہاں تک مالک ابن انس کی بات ہے تو اس کے بارے میں ابنِ ابی ذئب کہتے ہیں: "اُس کے مزاج میں ظلم و بربریت تھی۔" ابنِ عبدالبر کہتے ہیں کہ: "میں اس کا ذکر کرنا بُرا سمجھتا ہوں۔" اور وہ ایسی بہت سی خرابیوں میں مشہور ہے۔ اور ابراہیم ابن سعد بھی مالک کے بارے میں یہی بات کہا کرتے تھے۔ نیز ابراہیم ابنِ یحییٰ اس کو بد دعا دیتے تھے! کتاب "العلل" میں ساجی نے یہی لکھا ہے۔

اسی طرح مالک کو اس کے بہت سے نظریات کی وجہ سے عبدالعزیز ابنِ ابی سلمہ، عبدالرحمٰن ابن زید، ابنِ اسحاق، ابن ابو یحییٰ اور ابنِ ابوالزناد نے بھی برا بھلا کہا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے دانشمندوں نے مالک کے خلاف بہت کچھ کہا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہہ گئے: شافعی نے برداشت سے کام لیا ہے۔ البتّہ ابوحنیفہ کے چاہنے والوں نے مالک کو اس کے امام ہونے کے حسد میں سفیہ قرار دے دیا ہے۔

امام مالک نے حالتِ سفر اور وطن میں چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کو صحیح نہیں مانا ہے۔ ان کے اس انکار پر ایک گروہ نے انھیں بُرا بھلا کہا ہے۔ اسی طرح مالک نے جو حضرت علیؑ اور حضرت عثمان پر اعتراض کیا ہے اس پر لعن طعن کی گئی ہے۔ نیز امام مالک نے جو یہ فتویٰ دیا ہے کہ: "بوڑھی عورتیں مسجد نبویؐ میں آکر باجماعت نماز ادا کرسکتی ہیں۔" اس پر ایک جماعت نے انھیں ایسی باتوں کی طرف نسبت دی ہے جن کا ذکر کرنا اچھا نہیں ہے۔ البتّہ "علماء کے حکمت آمیز کلمات" کے باب میں خطیب نے امام مالک کے علم و فضل کو بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۲۰۱۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) امام مالک کی طرف سے عذرخواہی کو رد کیا ہے۔ اور مالک نے شافعی اور امام ابوحنیفہ کے بعض شاگردوں کو بُرا بھلا کہا ہے۔ پھر بھلا مقام امامت پر حسد کرنے کے باوجود وہ امام کی ذمہ داری کے اہل کیسے ہوسکتے ہیں ؟!

یقیناً مالک نے وہی رائے جو حضرت علیؑ اور جناب عثمان کے بارے میں خوارج کی رائے تھی اسے اپنایا ہے۔ اور یہ ثابت بھی ہے اور یہ سنگین معاملات میں سے ایک معاملہ ہے جس پر ان سب نے اس کی مذمت کی ہے۔

اسی طرح محمد ابن اسحاق نے امام مالک کو کافی بُرا بھلا کہا ہے۔ اور ان دونوں نے ایک دوسرے پر اتنی کیچڑ اچھالی ہے جو بیان سے باہر ہے۔

اور اس دور کے بعض علماء اور بعض دوسرے فضلاء نے امام شافعی کے اجتہاد پر شک کیا ہے اور کہا ہے کہ ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ موسیٰ جاراللہ نے کہا ہے کہ ہم ان کی عدالت کو پورے طور پر مان لیں تو ان پر اعتماد کرسکتے ہیں۔ یہی بات ابن معین نے بھی کہی ہے۔ بہرحال! ایک دوسرے کے خلاف لڑنے والے اور ایک دوسرے کو راہ راست سے بھٹکا ہوا قرار دینے والے امام آپ ہی کو مبارک ہوں! ان کا یہ باہمی لڑائی جھگڑا معتبر اور صحیح طریقوں سے ثابت ہے۔

تحقیقی مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ سلطان محمود بن سبکتگین کے دور میں کیا ہوا جب اس بادشاہ نے شافعی اور مالکی فقہاء کو جمع کرکے ان سے درخواست کی کہ وہ دونوں میں سے ایک مذہب (فقہ) کو جو ترجیح رکھتی ہو طے کرلیں۔ پس اس کے بعد ان کے درمیان جو کچھ ہوا میں اس کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتا۔ اس بادشاہ نے بہتری چاہی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اسی طرح جب موسیٰ جاراللہ نے امام عبدالبر کی کتاب (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) "جامع بیان العلم وفضلہ" کے باب "قول العلماء بعضہم فی بعض" پر دستک دی تو وہاں انھوں نے ائمہ کے شاگردوں اور تابعین کے اقوال میں سے بعض اقوال کو ایک دوسرے کے خلاف پایا۔ جبکہ اس کے مقابلے میں ہمارے ائمہؑ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ بہت کم ہے اور ان غلط باتوں کو ہمارے ائمہؑ کے لیے ثابت نہیں کیا جاسکا ہے۔ اور اگر ثابت کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے تو یہ ان بُرے اقوال کے مقابلے میں جو ہم پڑھ چکے ہیں بہت معمولی نوعیت کے ہیں۔ چنانچہ ایسے اقوال کو جن کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے ہم نے ترک کر دیا ہے۔ اس امر کی وضاحت ایک سے زیادہ علمائے کرام کے ذریعے ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ابن عبد البر نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" میں 'بعض علماء کو بعض علماء پر فضیلت دینے میں حکمت' والے باب میں اس کی توضیح فرمائی ہے۔ ملاحظہ کیجیے اسی کتاب کے خلاصے کا صفحہ نمبر ۱۹۲ ..... "تاریخ بغداد" احمد ابن اسحاق کے حالات اور اس کے بعد پہلی جلد کا صفحہ ۲۲۳۔

اس کے علاوہ ابنِ اسحاق اور مالکؒ کی لعن طعن اور ابنِ ابی ذئب ابن ابی حازم، عبد العزیز ماجشون اور ان کے علاوہ دوسروں سے بھی امام مالک کی ٹھنی رہی ہے اور سب نے مالک کو بُرا بھلا کہا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اہلِ علم کے ایک گروہ نے اچھے معروف، متدیّن، سچّے اور امانت دار افراد کے حوالے سے مالکؒ میں پائی جانے والی بُرائیوں کو صریحًا بیان کیا ہے۔ جیسا کہ امام ابنِ عبد البرؒ نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" میں اس کی وضاحت کی ہے چنانچہ اسی کتاب کے خلاصے کا صفحہ ۲۰۱ ملاحظہ ہو۔ نیز اسی بات کو "الکشاف" کی آخری جلد میں اور زمخشری کے حالات میں (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) درج کیا گیا ہے۔

اور اگر آپ امام مالک کے بارے میں مزید جاننا چاہتے ہوں تو اس کے لیے کتاب " وفیات ابن خلکان " زمخشری کی زندگی پر جو تحریر ہے اس میں ملاحظہ کیجیے۔ اس کتاب میں انھوں نے امام حرمین ابو معالی عبدالملک جوینی کی کتاب " مغیث الخلق فی اختیار الاحق " کے حوالے سے کافی کچھ نقل کیا ہے۔

میری اُمّت میں تفرقہ

نصاریٰ بہتّر فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ اور میری امت عنقریب تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ــــــــ!

یہ وہ حدیث ہے جسے اگر کوئی مسلمان حقیقت بین نگاہوں سے پڑھے اور اس کی بابت سوچے تو جب تک وہ حق کی معرفت حاصل نہ کرلے اس کی نیند حرام ہو جائے گی۔ وہ اپنے اوپر حق کی تلاش لازم کرلے گا۔ وہ جاننا چاہے گا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے ــــــــ؟ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے ــــــــ؟

ویسے تو ہم میں سے ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے! حالانکہ اجتماعی طور پر تفرقوں کے باعث دوزخ کی طرف بڑھ رہے ہیں! اختلافات رکھنے کے ساتھ ساتھ آپس میں جھگڑتے بھی ہیں۔ یہاں اس صدی میں بھی یہی عالم ہے! اور یہ امکان بھی نظر نہیں آتا کہ ہم مستقبل میں یہ لڑائی جھگڑا ختم کر کے کسی جگہ اکٹھا ہو سکیں گے ــــــــ؟!

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں حق پہنچتا ہے کہ ہم یہ سوال کریں کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر دونوں ہی اصحابِ رسولؐ میں

سے تھے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مطالبہ کیوں نہیں کیا کہ وہ ہر حق دار کو اس کا حق ادا کر دیں۔

اس میں تو کوئی شک وشبہ نہیں کہ حق ہمیشہ سربلند رہتا ہے۔ اور حق کے مقابلے میں کسی کو بلندی عطا نہیں ہوتی۔ بلاشبہ آنحضرتؐ سے ایسا مطالبہ نہ کرنے کو ان کے خلاف ایک واضح اور صحیح دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح نبی کریمؐ کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا اور اہل بیتؑ کا یقینی طور پر جو مقام ومرتبہ تھا وہ نہ ان سے پہلے کسی اور کو حاصل ہوا تھا اور نہ ہی بعد میں کسی کو حاصل ہوسکا۔ مگر صحابہ کے بارے میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان میں شکوک وشبہات یا اختلافات اور باہمی تنازعہ پایا جاتا ہے۔
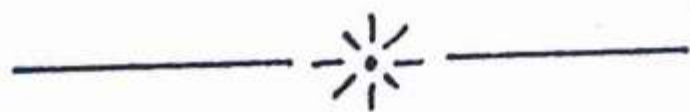
جانشینانِ رسولؐ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت محمدؐ نے جنھیں اپنا وصی بنایا وہ کون ہیں اور آپؐ نے اپنی اُمّت کے لیے کن افراد کو جانشین معیّن فرمایا ہے ــــــ؟

آپؐ نے ایک کے بعد ایک آنے والے اپنے تمام جانشینوں کی بابت خبر دی ہے۔

اہلِ بیت علیہم السّلام سے مروی ہے: ایسی چیزوں کو چھوڑ دو جو تمھیں شک میں ڈالتی ہوں اور ان چیزوں کو اپناؤ جو تمھیں یقین کی راہ دکھائیں۔

مگر یہاں معاملہ تو ایسی سخت دشمنی کا ہے جیسے ایک شخص اپنے دوسرے ساتھی سے کہتا ہے: "یہ کوّا ہے۔" اور دوسرا ساتھی کہتا ہے: "نہیں، یہ بکری ہے۔"

اور اتنے میں وہ شخص اٹھتا ہے اور ایک پتّھر اُٹھا کر مار دیتا ہے۔ چنانچہ کوّا اُڑ جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی انکار کرنے والا اپنی دشمنی پر اَڑا رہتا ہے اور کہتا ہے وہ بکری ہی تھی۔ اُڑنے سے کیا ہوتا ہے ــــــ!

چنانچہ یہاں بھی زبردستی یہ سوال کرنا کہ آخر آئمہؑ کی تعداد بارہ[۱۲] کیوں ہے؟ کچھ ایسا ہی معاملہ ہے!

قرآن وسنّت سے ثابت ہے کہ جانشینانِ رسولؐ کی تعداد بارہ[۱۲] ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی تعداد بارہ[۱۲] تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے اسباط کی تعداد بارہ[۱۲] تھی اور حضرت محمدؐ کے اوصیاء کی تعداد بھی بارہ[۱۲] ہے۔

ایک یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھنے لگا: اگر آپؐ سچے ہیں تو بتایئے کہ آپؐ کے جانشین کون ہیں ــ؟ چنانچہ آنحضرت نے اپنے ایک ایک جانشین کا نام اُسے بتایا۔

اور امام بخاری نے خود صحاح ستّہ میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ جانشینانِ رسولؐ کی تعداد بارہ[۱۲] ہے۔ لیکن ان میں سے پانچ سے زیادہ کو شمار نہیں کیا ہے اور ان پانچ میں معاویہ شامل نہیں ہے!

معاویہ کے متعلق کھلے لفظوں میں کہا گیا ہے کہ اگر ان چار باتوں میں سے جو نیچے لکھی ہوئی ہیں ایک بھی اس میں ہوتی تو اسے آتشِ جہنّم کا مستحق بنانے کے لیے کافی تھی۔[۱]

---

[۱] ان چار باتوں میں سے ایک حضرت علیؑ سے جنگ کرنا ــ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے بارے میں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: کسی شخص نے بھی علیؑ سے جنگ نہیں کی مگر یہ کہ حضرت علیؑ اس کے مقابلہ میں بطریق اولیٰ حق پر تھے اور اگر ان کے درمیان حضرت علیؑ کی سیرت نہ ہوتی تو یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کی سیرت کیا ہوتی ہے! بلاشبہ حضرت علیؑ نے طلحہ اور زبیر سے ان کی بیعت توڑ دینے کے بعد جنگ کی۔ اور جنگ جمل کے (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) موقع پر حضرت علیؑ نے ان لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک کیا۔ وہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے اور بغاوت کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے تھا۔ (خوارزمی کی کتاب "مناقبِ ابی حنیفہ" جلد دوم صفحہ ۸۳ اور ۸۴ مطبوعہ حیدرآباد)۔ سفیان ثوری کہتے ہیں: کسی شخص نے بھی علیؑ سے جنگ نہیں کی مگر یہ کہ حضرت علیؑ اس کے مقابلہ میں بطریقِ اولیٰ حق پر تھے (ملاحظہ فرمائیے ابونعیم کی کتاب "حلیۃ الاولیاء" جز نمبر ۷ صفحہ ۳۱) اور شافعی فرماتے ہیں: صفّین کے معرکہ کی بابت خاموشی اختیار کرنا اور کچھ نہ کہنا اچھا ہے اگرچہ کہ حضرت علیؑ ہر اس شخص کے مقابلہ میں جو ان سے قتال کرے بطریقِ اولیٰ حق پر ہیں۔ (ادب الشافعی ومناقبہ صفحہ نمبر ۳۱۴)

معاویہ کی بعض ہلاکت خیز حرکتیں

معاویہ کی بعض ہلاکت خیز حرکتیں یہ ہیں :

(۱) ——— اس نے خلافت پر زبردستی قبضہ کیا۔

(۲) ——— باوجود اس کے کہ یزید بہت زیادہ نشے کا عادی اور پکا شرابی تھا اس نے اسے خلیفہ بنادیا۔ حالانکہ اس وقت فضیلت رکھنے والے صحابۂ کرام بھی موجود تھے!

(۳) ——— اس نے زیاد ابنِ ابیہ کو اپنے خاندان سے غلط طور پر ملحق کیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں : بچہ اپنے باپ کا ہوتا ہے اور زانی سنگسار کیا جاتا ہے۔

(۴) ——— اس نے حجر ابنِ عدی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ پس افسوس ہے اس معاویہ پر جو حجر کو قتل کردے۔

اور مسلمان یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ پسندیدہ عمل نہیں ہے اور اس سے کوئی ایک بھی مسلمان راضی نہیں ہے لیکن پھر بھی آپ انھیں یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں : "یزید پر لعنت بھیجو اور اس سے زیادہ نہ کرو۔"

معاویہ کی وجہ سے ان کا نقطۂ نظر تہمت اور ننگ و عار کا باعث بن جاتا ہے اور یہ لوگ نہیں چاہتے کہ تمام لوگ ایسے لوگوں کا نام متفق ہو کر لیں جو لعنت کے مستحق ہیں۔

علماء میں سے البتہ ایک عالم جن کا تعلق موجودہ دور کے علمائے اہلِ سنّت سے ہے ابو عثمان۔ ان کی رائے یہ ہے کہ لعنت کے ہر مستحق کا نام لینا ضروری ہے اور میں ایسے لوگوں کے نام بتا سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ان بارہ جانشینوں میں سے ہر ایک کی بابت بھی آگاہ کروں گا۔ ان میں سے ایک کے علاوہ باقی سب ظاہر ہو چکے ہیں۔

بلاشبہ حضرت ابوبکر، حضرت عثمان کی مخالفت کرتے رہے اور حضرت عثمان، حضرت ابوبکر کی مخالفت میں لگے رہے ــــ! نیز حضرت عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ان سے لڑائی کرنے کو منع فرمایا ہے اور اس حدیث کے راوی خود عمر ہیں۔ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"جو شخص بھی لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے میں اس سے قتال نہیں کروں گا۔ خواہ وہ زکوٰۃ ہی کیوں نہ روک لے۔"

چنانچہ ایسا واقعہ رسول اللہؐ کے زمانے میں پیش آیا اور اس وقت کسی قسم کے خوف کا مسئلہ نہیں تھا۔ اس بات کا خوف نہیں تھا کہ آنحضرتؐ کے اصحاب قتل کر دیے جائیں گے بلکہ حکمِ قرآنی کے تحت اس قسم کے قتال سے گریز کیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] جس طرح حضرت ابوبکر نے زکوٰۃ روکنے والوں سے باقی اگلے صفحہ پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جنگ کی لیکن حضرت عمر نے یہ نہیں کیا۔ ابوبکر رازی "احکام القرآن" کی تیسری جلد کے صفحہ ۴۹۲ پر لکھتے ہیں : اس امر کا کوئی بھی مخالف نہیں ہے کہ باغی گروہ سے قتال کرنے میں حضرت علیؑ حق پر تھے۔ اور علیؑ کے ساتھ جلیل القدر صحابہ اور جنگِ بدر میں شرکت کرنے والے معروف صاحبانِ علم تھے۔

ایسی ہی باتیں ابوبکر ابنِ عربی نے بھی لکھی ہیں (ملاحظہ کیجیے تاریخ ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۴۷ اور الباقلانی مستدرک الحاکم جلد ۳ صفحہ ۱۱۴ اور اسی طرح کتاب "التمہید" کے صفحات ۲۲۹ تا ۲۳۲)

درودِ کامل

اَب ہم یہاں بارہ[۱۲] اماموں پر درود بھیجنے کی بابت گفتگو کریں گے یہ بارہ[۱۲] آئمہؑ رسول اللہؐ کے جانشین شمار ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"میری سنّت پر عمل کرنا تم پر واجب ہے اور میرے بعد میرے خلفاء کی سنّت پر عمل کرنا واجب ہے۔"

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرمؐ کے خلفاء سے مراد حضرت علیؑ اور حضرت حسنؑ و حسینؑ ہیں۔

حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنّت کے سردار ہیں۔ یہ دونوں کے دونوں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خوشبو کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ یہ دونوں رسولِ خداؐ کے فرزند ہیں۔

ان دونوں کی خوشی سے مراد یہ ہے کہ یہ خاص زینتوں سے سے آراستہ ہونے کی وجہ سے امّت میں پہچانے جاتے ہیں۔ امّت کے ہر فرد کے لیے واجب ہے کہ ان دونوں کو جوانانِ جنّت کی حیثیت سے جانے۔ حالانکہ جس وقت آنحضرتؐ کی طرف سے یہ اعلان ہوا تو ان میں

سے ایک کی عمر پانچ یا چھ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ رسولِ خداؐ پر بغیر ان دونوں کو اور ان کی آل کو شامل کیے درود بھیجنا درست نہیں ہے۔

حضورِ اکرمؐ کی آلِ پاک میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، طلحہ اور زبیر شامل نہیں ہیں۔

رسول اللہؐ پر جب درود بھیجتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ ان کے اہل بیتؑ یعنی حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ پر بھی درود بھیجنا چاہیے۔

" اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا "
(سورۂ احزاب ۳۳: آیت ۵۶)

یعنی: " اس میں شک نہیں کہ خدا اور اس کے فرشتے پیغمبرؐ پر درود بھیجتے ہیں تو اے ایمان دارو تم بھی درود بھیجتے رہو اور برابر سلام کرتے رہو۔"

آج ہم پڑھتے ہیں کہ بخاری شیعوں کو درود کے سلسلے میں برا بھلا کہتے ہیں حالانکہ جب یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی تو لوگوں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں آکر کہا: ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ رسول اللہؐ پر کس طریقے سے درود بھیجنا چاہیے البتہ ہم یہ نہیں جانتے کہ اُن کی آل پر کیونکر درود بھیجیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا یوں کہو: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاھِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ اِنَّکَ مَجِیْدٌ حَمِیْدٌ۔" اور مجھ پر درودِ "بتراء" مت بھیجو۔

لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! درودِ بتراء کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ تم محمدؐ پر درود بھیج کر

خاموش ہو جاؤ! یقیناً اللہ تعالیٰ کامل ہے اور وہ کمال ہی کو قبول فرماتا ہے۔
چنانچہ امام شافعی (خدا ان کے درجات کو بلند کرے) فرماتے ہیں۔

" یا آل بیت رسول اللہ حبکم
فرض من اللہ فی القرآن أنزلہ
کفاکم من عظیم الفخر أنکم
من لم یصل علیکم لا صلاۃ لہ "

یعنی: " اے اہل بیتِ رسول اللہؐ تمھاری محبّت اللہ تعالیٰ
کی طرف سے قرآن مجید میں فرض کی گئی ہے اور تمھارے
لیے یہی بات فخر و مباہات کے لیے کافی ہے کہ جو شخص
بھی نماز میں تم پر درود نہ بھیجے اس کی نماز، نماز
ہی نہیں ہے۔ "

اھلِ بیتؑ کی محبّت واجب ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہم سے
مودّتِ اہلِ بیتؑ کا تقاضہ کیا ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ یوں کہیں: اے اہل بیتِ
رسولِ خداؐ تمھاری مودّت ہم پر واجب ہے۔ محبّت نہیں۔ کیونکہ محبّت
ایک فطری اور طبعی امر ہے۔ میں آپ سے محبّت کرتا ہوں اور آپ مجھ سے
محبّت کرتے ہیں۔ لیکن مودّت محبّت سے زیادہ قوی امر ہے۔ یعنی جب
میں آپ سے مودّت کا رشتہ قائم کروں گا تو اپنی ذات پر آپ کو ترجیح
دوں گا ـــــــــــــ

دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر میں جنّت میں
بھی جاؤں گا تو جب تک آپ میری پیشوائی کرتے ہوئے مجھ سے پہلے جنّت
میں نہیں جائیں گے میں داخل نہیں ہوں گا۔ آپ سے تعلّق کے بغیر میرا

ہلنا حرام ہے۔ آئیے دیکھیں قرآن مجید اس سلسلے میں ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے :

" قُل لَّا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ "

(سورہ شوریٰ ۴۲ : آیت ۲۳)

یعنی : " کہو ! میں تم سے سوائے اپنے اقربا سے مودّت کرنے کے کسی اور قسم کے اجرِ رسالت کا سوال نہیں کرتا ۔"

اگر آپ نے درودِ کامل یعنی درودِ ابراھیمی نہیں بھیجا تو آپ کی نماز باطل ہے ۔

کربلا کے خوفناک اور خونی معرکے کے موقع پر جب ظہر کا وقت آگیا تو امام حسینؑ نے فرمایا :

" ہمیں اتنی مہلت دو کہ نماز پڑھ لیں ۔"

یزیدؔ کا سپہ سالار عمر ابنِ سعد ٹھہر گیا ۔ امام حسینؑ اُن لوگوں کے ساتھ جو ابھی تک زندہ تھے باجماعت نماز ادا کرنے لگے ۔ عمر ابنِ سعد نے بھی جماعت سے نماز پڑھی ۔

پس حضرت امام حسینؑ نے فرمایا :

" تم لوگ رسول اللہؐ پر درود بھیج کر تقرّب حاصل کرتے ہو ۔ لیکن مجھے یاد کر کے تقرّبِ الٰہی کیوں نہیں حاصل کرتے ـــــــ ؟ "

باوجود اس کے کہ امام حسینؑ اہلِ بیتِ رسولؐ میں سے تھے لیکن پھر بھی انھیں قتل کر دیا گیا ! ان ظالموں نے صرف قتل ہی نہیں کیا بلکہ آپ کے جسمِ اقدس کو پارہ پارہ کر دیا ۔ رسول اللہؐ کی بیٹیوں کو قیدی

بنا لیا ـــــ!

ایسے ہولناک جرائم کے باوجود کیا ہم ان لوگوں کو مسلمان کہیں ـــــ!!؟ کیا آپ باطل کو چھوڑ کر حق کے جویا نہیں ـــــ؟ یہ تو وہ چیزیں ہیں جن سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہانے لگتی ہیں۔

تو کیا یہ تمام حوادث اور واقعات آپ کو حق سمجھانے کے لیے کافی نہیں ہیں ـــــ؟

آخر کیوں ـــــ؟!

مقامِ اہلِ بیتؑ

اب ہم صرف دشمنانِ اہلِ بیتؑ کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ کا مقام اور مرتبہ کیا ہے۔ جس وقت یہ لوگ کہتے ہیں :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

تو آخر یہ اصحاب کون ہیں ـــــــ؟

کیا جو قرآنِ مجید کی آیتوں کی تلاوت کرنے کے باوجود حقِ مودّت ادا کرنے سے گریز کرنے والے تھے ـــــ؟!

ایسے لوگوں میں عمر ابنِ سعد کا نام آتا ہے جو کہ یزیدؒ کی طرف سے سپہ سالار بنایا گیا تھا۔ ایسے لوگوں میں چھپے ہوئے اور علانیہ کفار ہیں۔ اور ایسے لوگوں میں وہ صحابہ بھی شامل ہیں جنھوں نے دنیا حاصل کرنے کے لیے اپنا دین فروخت کر دیا تھا۔[1]

---

[1] عمر ابنِ سعد نے پوری رات امام حسینؑ کے معاملے میں سوچتے ہوئے گزاری۔ وہ اسی فکر میں تھا کہ اِس کے بدلے میں اُسے کتنا نقصان برداشت باقی اگلے صفحہ پر

آخر معاویہ نے جب بعض صحابہ کو حضرت علیؑ کو بُرا بھلا کہنے اور گالی دینے پر مجبور کیا تو انھیں یہ امر ناپسند کیوں ہوا ؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کرنا پڑے گا۔ پس امام حسینؑ نے اس سے پوچھا: "اے ابن سعد کیا تو جنگ کرے گا یا اس خداوندِ متعال کا خوف کرے گا جس کی طرف تجھے لوٹ کر جانا ہے؟ کیا تجھے نہیں معلوم کہ میں کس کا بیٹا ہوں؟ کیا تو اُن کا ساتھ چھوڑ کر میرا ساتھ نہیں دے گا کیونکہ یہی قربِ الٰہی کا تقاضہ ہے؟" عمر ابنِ سعد نے جواب دیا: "مجھے ڈر ہے کہ میرا گھر گرا کر تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔" امام حسینؑ نے فرمایا: "میں تمھارا گھر بنوا دوں گا۔" اس نے کہا: "مجھے ڈر ہے کہ میری جائداد ضبط کر لی جائے گی۔" امام علیہ السلام نے فرمایا: "میں اس کے بدلے تمھیں اس سے بہتر جائیداد عطا کر دوں گا ......" پھر جب حضرت امام حسینؑ اس سے مایوس ہو گئے تو ارشاد فرمایا: "خدا کرے تم جلدی سے اپنے بستر پر قتل ہو اور بروزِ حشر تمھاری مغفرت نہ ہو۔ پس خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ تم چند دنوں سے زیادہ عراق کا دانہ کھاؤ گے۔" اس پر عمر سعد نے ہنسی اڑاتے ہوئے یہ اشعار کہے ؎

أأترك ملك الری والری منیتی ام ارجع ماثوماً بقتل حسین

وفی قتله النار التی لیس دونها حجاب وملك الری قرة عینی

جیسا کہ کتاب "احسن التقاسیم للمقدسی" کے صفحہ ۳۸۵ پر ہے کہ اسی شہر میں بدبخت عمر ابن سعد قتل ہو کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور واصل جہنم ہوا۔

اور شمر ابی ذی الجوشن جس نے رسول اللہؐ کی بیٹی فاطمہ کے جگر گوشے حسینؑ کے سر کو تن سے جدا کیا تھا۔ اسی بدبخت نے واقعۂ کربلا کے موقع پر پکار کر کہا تھا: کہاں ہیں میرے بھانجے یعنی عباسؑ ابن علیؑ۔ اور اس نے یہ اخوت (باقی اگلے صفحہ پر)

اور بعض صحابی علیؑ کو برا بھلا نہ کہنے اور نازیبا باتیں زبان پر نہ لانے کی وجہ سے زندہ دفن کر دیے گئے!

تو کیا یہ سب قابلِ نفرت نہیں ہے؟ اور ان واقعات سے کسی نتیجہ تک نہیں پہنچا جا سکتا ــــــ؟ [۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کا رشتہ فاطمہؑ کلابیہ عامریہ سے جوڑا تھا۔ اس پر عباسؑ اور اُن کے بھائیوں نے شمر سے پوچھا تھا: "تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ تمھیں حسینؑ کے ساتھ قتل نہ کروں اور تم امیر المومنین یزیدؑ کی اطاعت کر لو!" پس حضرت عباسؑ نے فرمایا: "خدا تجھ پر لعنت کرے اور تیری امان پر لعنت ہو۔ کیا تو ہمیں امان دے گا اور فرزندِ رسولؐ کے لیے کوئی امان نہیں ہے! تو ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم ملعونوں اور ملعونوں کی اولادوں کی اطاعت کریں!" (کتاب "تذکرۃ الخواص" صفحہ ۱۴۲ اور "اعلام الوریٰ" صفحہ ۲۸)

جب شمرِ ملعون سے پوچھا گیا کہ تو نے فاطمہؑ کے بیٹے کو قتل کرنے میں کیونکر مدد کی تو اس نے کہا: "ہمارے حاکموں نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اگر ہم ان کی مخالفت کرتے تو ہمیں ان ظالموں سے گزند پہنچتا اور ہم قتل کر دیے جاتے!" ذہبی فرماتے ہیں کہ ابنِ سعد کا یہ عذر ناقابلِ قبول اور قبیح ہے اس لیے کہ اطاعت صرف اچھے کاموں میں کی جاتی ہے!!!

[۱] حضرت علیؑ پر ڈرا دھمکا کر اور لالچ دے کر سب وشتم کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ یہاں تک کہ بنو مروان کے دورِ حکومت میں عمر ابن عبدالعزیز کے عہدِ حکومت تک مسلمانوں کے منبروں سے عید اور جمعہ کے (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ تاریخی حقائق ہیں ۔ ان تاریخی حقائق، واقعات، احادیث اور آیات کی جانب آپ کی توجہ دلانے کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ آپ کسی نتیجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خطبوں میں یہ طریقہ علانیہ طور پر جاری رہا ! یعنی یہ سلسلہ ننانوے ۹۹ھ ہجری تک باقی رہا۔

یہ وہ امور ہیں جو تواتر کے ساتھ تاریخ کے الفاظ اور معنی اور مفہوم کے ذریعے واضح اور معلوم ہیں !! (ملاحظہ فرمائیے کتاب "العقد الفرید" جلد ۲ صفحہ ۳۰۱ ۔ کتاب " اسد الغابۃ " جلد ا صفحہ ۱۳۴ ۔ کتاب " الاصابۃ " جلد ۱ صفحہ ۷۷ اور ابن حزم کی کتاب " المحلّی " جلد ۵ صفحہ ۸۶)

جو علیؑ ابنِ ابی طالبؑ پر لعنت بھیجتے تھے وہ معاویہ کے حکم کی بجاآوری کے لیے ایسا کرتے تھے اور انھیں لوگوں میں مندرجہ ذیل افراد کے نام سرفہرست ہیں۔ کتابوں کے حوالے سے ان کے نام ملاحظہ فرمائیں :

بُسر ابنِ ارطاۃ ، (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۹۴ مطبوعہ مصر)

کثیر ابن شہاب ، (ابن الاثیر کی کتاب " الکامل " جلد ۳ صفحہ ۱۷۹)

مغیرہ ابن شعبۃ ، (حاکم کی کتاب " المستدرک " جلد ا صفحہ ۳۸۵ ۔ "مسند احمد" جلد ا صفحہ ۱۸۸ ۔ "رسائل الجاحظ" صفحہ ۹۲ ۔ " الاذکیار " صفحہ ۹۸)

مروان ابن حکم ، (سیوطی کی کتاب " تاریخ الخلفار " صفحہ ۱۲۷ ۔ ابن حجر کی کتاب "صواعق محرقہ " صفحہ ۳۳)

عمر ابن سعید الاشرق ، (ارشاد الساری ، شرح صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۳۶۸) باقی اگلے صفحہ پر

تک پہنچیں۔ یعنی یہ تمام حوادث و واقعات آپ کو راہِ حق و صداقت تک پہنچا دیں۔ اس لیے کہ حق کا راستہ ہی سب سے بہترین راستہ ہے اور راسی کا مطلب سچوں کے ساتھ ہونا ہے۔

حق سبحانہٗ تعالیٰ کا فرمان ہے:

" اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۚ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ " (سورۂ یونس ۱۰ : آیت ۳۵)

یعنی : " جو شخص دینِ حق کی راہ دکھاتا ہے کیا وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کے حکم کی پیروی کی جائے یا وہ شخص جو دوسروں کی ہدایت تو درکنار خود ہی جب تک دوسرا اس کو راہ نہ دکھائے وہ راہ نہیں دیکھ پاتا۔ تو تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے تم ایسے حکم لگاتے ہو۔"

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے حضرت علیؑ پر لعنت بھیجنے اور آپؑ کو برا بھلا کہنے سے انکار کر دیا۔ ایسے لوگوں میں سعد ابن ابی وقاص، عقیل ابن ابوطالب، عبیداللہ ابن خطاب، حجر ابنِ قیس مدری، اور احنف ابنِ قیس شامل ہیں۔ (ملاحظہ کیجیے "المراجعات" صفحہ ۴۹۶)

آخری دعائیہ کلمات

تیجانی سماوی کی گزارش ہے: مجھے شیعہ مذہب قبول کیے اکیس[21] سال ہو چکے ہیں۔ لیکن آج بھی جس لمحے واقعۂ کربلا یا فاطمہ زہرا علیہا السلام پر گزرنے والے واقعات کو یاد کرتا ہوں تو میری آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہنے لگتے ہیں اور ہچکیاں بندھ جاتی ہیں۔ اور اس طرح اپنے آنسوؤں کے ذریعے شیعوں اور تمام مسلمین و مسلمات کی پریشانیوں کا علاج تلاش کرتا ہوں!

ہم اللہ کے غضب کا ہدف قرار پا رہے ہیں۔ اسی لیے مسلمان مسلمان سے برسرِ پیکار ہیں۔ ان کی رائے ایک نہیں ہے اور ان میں سے بعض لوگ اپنے نظریہ سے ہٹ کر کچھ اور سوچنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ تاریخ کی مسلمہ حقیقت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اگر آج اسرائیل ان کے شہروں کو تباہ و برباد کر رہا ہے!

آخر ایسا کیوں ہے ــــــ ؟!

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم اسلامی تربیت اور اس کی تعلیمات سے بے بہرہ ہیں!

ہم اپنے آپ کو بدلنا نہیں چاہتے ــــــ

سورۂ رعد کی گیارہویں آیت میں ارشاد ہوا ہے یہ فرمانِ الٰہی

ہم بھول گئے ہیں :

" اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ "

یعنی : " اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک ہرگز نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت تبدیل (کرنے کی کوشش) نہ کرے ۔"

یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لیے ہدایت کا انتظام کیا۔ لیکن ہم نے اسے چھوڑ دیا ! ہم اسلام کی بنیادی تعلیمات سے زیادہ مخلص نہیں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو تبدیل نہ کرنے کے باعث کوئی اچھی مثال نہیں پیش کر سکے ـــــ !

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ ،

لَا اِلٰهَ اِلَّا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

یعنی : " قسم ہے زمانے کی یقیناً انسان گھاٹے میں ہے ۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے اور آپس میں حق کا حکم اور صبر کی وصیت کرتے رہے ۔"

ملیک آپ لوگوں سے اس بات پر معافی چاہتا ہوں اور معذرت خواہ ہوں کہ جو کچھ میں نے اپنے نفس کو نمایاں کرنے کے لیے کہا ہے آپ اس سلسلے میں مجھے نظر انداز فرمائیں گے ۔ کیونکہ بہر حال ہم سب مسلمان آپس میں بھائی

بھائی ہیں۔

انشاء اللہ ہم میں سے بعض افراد جو ایک دوسرے سے ناراض ہیں آپس میں راضی ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر اور صلاح کی ہدایت فرمائے ...... بحقِ محمدؐ و آل محمدؑ ہمیں حق کو حق سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق عطا کرے اور باطل کو باطل سمجھنے اور اس سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب میں وہ چند شعر پیش کرنا چاہتا ہوں جو اس وقت یاد آگئے اور اس موضوع سے مطابقت رکھتے ہیں۔ محمدؐ و آلِ محمدؑ کی محبت میں ڈوب کر یہ اشعار قلب و ذہن کی گہرائیوں سے کہے گئے ہیں۔

عمرو ابن عاص نے امام حسنؑ سے یہ کہا کہ آپؑ اہلبیتؑ یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے بھی مدح اہل بیتؑ میں ایک شعر کہا اس پر جنّت واجب ہے۔ اور اس کے بعد یہ اشعار کہے : ؎

بــآلِ محمد عرف الصواب	وفی ابیاتهم نزل الكتاب
هم حجج الالـه على البرايا	بهم و بجدهم لا يستراب
ولا سيما أبا حسنٍ علـيؑ	له فی الحرب منزلہ تهاب
هو البكاء فی المحراب ليـلاً	هو الضحاك ان جدّ الضّراب
على الـدر والـذهب المصفّٰی	وبا فی الناس كلّهم تراب
هو النبأ العظيم و فلك نوحٍ	وباب الله و الفقطع الخطاب

یقیناً عمرو ابن عاص حضرت علیؑ کا بڑا شدید دشمن تھا اور اس نے آپؑ سے جنگ کی تھی۔ اور اس وقت ان اشعار کے حوالے سے اس بحث و مباحثہ اور مناظرے کو ہم غنیمت سمجھتے ہیں اور ہماری دلی خواہش

ہے کہ حضرت علیؑ کے لیے دل کی گہرائی سے پھوٹ کر آہستہ آہستہ بہنے والا یہ چھوٹا سا چشمہ جاری و ساری رہے ......

اس سے پہلے ہم سقیفہ کا تذکرہ کر چکے ہیں کہ وہاں پر کس طرح سے صحابہ ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے تھے۔ البتہ صرف علیؑ کی ذاتِ گرامی تھی جو رسول اللہؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھی۔

علیؑ کے علاوہ وہ سب کیسے سخت مزاج ہو گئے تھے اور خدا جانے ان کے اخلاق کو کیا ہو گیا تھا کہ رسول اللہؐ کے چچازاد بھائی کو تنہا چھوڑ کر تیزی سے سقیفہ کی طرف دوڑ پڑے تھے؟

اس طرح وہ اپنی آواز کی گھن گرج کے زور پر اپنے حق میں دلیل قائم کرنا چاہتے تھے۔ اگر وہ اس طرح کا شور و غوغا نہ کرتے تو ان کے پاس خلافت کے سلسلے میں کوئی اور دلیل نہیں تھی!

لیکن ان کا اخلاق تو اس حد تک گر چکا تھا کہ وہ رسول اللہؐ کو بے غسل و کفن چھوڑ کر نکل بھاگے اور خلافت کے معاملے میں جھگڑنے لگے۔

لیکن بعد میں حضرت علیؑ نے ان پر اس طرح دلیل قائم کی اور اپنا حق ثابت فرمایا:

فان کنت بالقربیٰ حججت خصیمھم
فغیرك اولی بالرسول و أقرب
وإن کنت بالشوریٰ ملکت امورھم
فکیف بھٰذا والمشیرون غیب

(ابن ابی الحدید کی شرح "نہج البلاغہ" جلد ۴ صفحہ ۳۱۹)

اور پھر جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں نے اپنی خواہش

پوری کرلی تو حضرت علیؑ نے پھر احتجاج کیا اور اپنے حق میں یوں دلیل قائم کی اور یہ اشعار ارشاد فرمائے:۔

محمد رسول الله أخي وصنوي	وحمزة سيد الشهداء عمّي
وجعفر الذى يمسى ويضحى	يطير مع الملائكة ابن أمي
وبنت المصطفىٰ سكني وعرسي	منوط لحمها بدمي ولحمي
وسبطا أحمد ولداي منها	فمن منكم له سهم كسهمى
سبقتكم الى الإسلام	طراً صغيراً ما بلغت أوان حلمى
وصليت الصلاة وكنت فرداً	مقراً بالنبى فى بطن أمّي
فاوجب لي ولايته عليكم	رسول الله يوم غدير خم
فويل ثم ويل لمن يلقى	الاله غداً بظلمى

(ابن حجر کی کتاب "صواعق محرقہ" صفحہ ۱۱۶)

اس کتاب کے ماخذ

القرآن الکریم

ا

اسد الغابۃ	لابن الاثیر
الامامۃ والسیاسۃ	لابن قتیبہ
انساب الاشراف	للبلاذری
الاشاعۃ	البرزنجی
اعلام النساء	عمر کحالۃ
الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ	لابن حجر العسقلانی
احقاق الحق	القاضی التستری
الاذکیاء	ابن الجوزی
الامام الصادق والمذاہب الاربعۃ	اسد حیدر
آداب الشافعی ومناقبہ	الرازی
ارشاد الساری	القسطلانی

ب

بلاغات النسار	ابن ابی طیفور

ت

تاریخ الطبری	الطبری
تاریخ الیعقوبی	احمد بن یعقوب الکاتب العباسی
تاریخ دمشق	لابن عساکر الشافعی
تاریخ ابن الفراج	ابن الفراج
تاریخ ابن الوردی	ابن الوردی
تاریخ الخلفار	للسیوطی
التفسیر المنیر	للجاوی
تفسیر الخازن	لعلاء الدین الشافعی
تفسیر ابن کثیر	ابن کثیر دمشقی
تذکرۃ الخواص	لسبط ابن الجوزی
تہذیب التہذیب	لابن حجر العسقلانی
تلخیص الشافی	الطوسی
التمہید	الطوسی

ج

الجمع بین الصحیحین	الحمیدی
جامع بیان العلم وفضلہ	القرطبی

ح

حیاۃ محمدؐ	محمد حسین ہیکل الطبعۃ الاولیٰ

ذ

کتاب	مصنف
ذخائر العقبیٰ	محب الدین الطبری

ر

کتاب	مصنف
الریاض النضرۃ	محب الدین الطبری
الروضۃ	ابوالمعالی الجوینی
رسائل الجاحظ	الجاحظ

س

کتاب	مصنف
سمط النجوم العوالی	عبدالملک العاصمی
السیرۃ الحلبیۃ	الحلبی الشافعی
سبیل النجاۃ فی تتمۃ المراجعات	
سیر اعلام النبلاء	
سنن النسائی	
سلسلۃ معارک الاسلام	رائف فضل اللہ

ش

کتاب	مصنف
شرح نہج البلاغۃ	لابن ابی الحدید
شواہد التنزیل	الحسکانی

ص

کتاب	مصنف
الصواعق المحرقۃ	لابن حجر الہیثمی
صحیح البخاری	محمد ابن اسمٰعیل بخاری
صحیح مسلم	محمد ابن مسلم
صحیح الترمذی	الترمذی

ع

کتاب	مصنف
العقد الفرید	لابن عبد ربہ
عبد اللہ بن سبا	مرتضیٰ العسکری

غ

کتاب	مصنف
الغدیر	الامینی

ف

کتاب	مصنف
فضائل اصحاب النبیؐ	البخاری
فضائل الخمسہ	
فرائد السمطین	
الفصول المہمۃ	ابن الصباغ المالکی
فتح الملک العلی	المغربی
فی طریقی للتشیع	الانطاکی

ک

کتاب	مصنف
الکامل فی التاریخ	لابن الأثیر
کنوز الحقائق	المناوی
کفایۃ الطالب	الکنجی الشافعی

ل

کتاب	مصنف
اللآلئ المصنوعۃ	السیوطی
لماذا اخترت مذہب اہل البیتؑ	الانطاکی

م

کتاب	مصنف
منتخب کنز العمال	

کتاب	مصنف
المناقب	الخوارزمی
میزان الاعتدال	الذہبی
مقتل الحسینؑ	الخوارزمی
المستدرک	الحاکم النیساپوری
مسند احمد ابن حنبل	احمد بن حنبل
مجمع الزوائد	الہیثمی
مشکل الآثار	
المراجعات	شرف الدین
مروج الذہب	المسعودی

ن

کتاب	مصنف
نظم درر السمطین	الزرندی
النص والاجتہاد	شرف الدین

و

کتاب	مصنف
الوافی بالوفیات	الصفدی

ی

کتاب	مصنف
ینابیع المودۃ	القندوزی